کشتِ شب
ڈاکٹر رحمت الٰہی

کِشتِ شب

ڈاکٹر رحمت الٰہی

حقوقِ اشاعت بحق مؤلف محفوظ ہیں

297.04

نام کتاب	کشتِ شب
مؤلف	ڈاکٹر رحمت الٰہی
اشاعت اوّل	مارچ ۲۰۱۰ء
صفحات	۱۷۴
تعداد	۱۰۰۰
قیمت	Rs250.00Pc
مطبوعہ	ایف آئی پرنٹرز ۱۶۔خورشید پیلس، کشمیر روڈ راولپنڈی کینٹ فون:۵۵۶۴۱۷۴، ۵۵۶۶۳۵۷۔۰۵۱
ملنے کا پتہ	الفوز اکیڈمی، سٹریٹ نمبر ۱۵ ای۔۱۱/۴، اسلام آباد
فون نمبر	۲۵۱۸۸۲۹،۲۲۲۲۴۱۸-۰۵۱

انتساب

آپ ﷺ

اور آپ ﷺ کے چمن کے پھولوں

کے نام

فہرست

- پیشِ لفظ | ۹
- حرفِ اوّل | ۱۲

باب اوّل — ذرا قرنِ اوّل کو آواز دینا | ۱۷

- امت مسلمہ کل اور آج | ۱۹
- صلح کراؤ اور انصاف کرو | ۲۹
- میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں؟ | ۳۷
- پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف | ۴۳
- غربت اسلام | ۴۷
- اسلام بذریعہ جمہوریت | ۵۱
- دنیا پر حکمرانی کون کرے گا؟ | ۵۷
- برا نہ مان اسے آزما کے دیکھ ذرا | ۶۳
- لڑا دے ممولے کو شہباز سے | ۶۷

باب دوئم — قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی | ۷۳

- تزکیۂ نفس | ۷۵
- سکونِ قلب | ۷۹
- اے طائرِ لاہوتی | ۸۱
- سیرت اور قسمت | ۸۵
- وعدے اور معاہدے | ۹۳

باب سوئم — اِذ نادیٰ وھُوَ مَکظُوم — ۹۹

- توبہ — ۱۰۱
- نالۂ نیم شب — ۱۰۷
- دعا کیے لیے بہترین الفاظ — ۱۱۳
- دعا، دل کی زندگی اور زندگی کا حسن — ۱۲۱

باب چہارم — فاین تذھبون......؟ — ۱۳۳

- ابلیس کی خطرناک چال — ۱۳۵
- رب کیسے خوش ہوتا ہے؟ — ۱۳۹
- خالق ومخلوق کا ایک دوسرے پر حق — ۱۴۷
- حقیقتِ دنیا قرآن کی نظر سے — ۱۵۳
- حقیقتِ دنیا احادیث کی نظر سے — ۱۵۹

باب پنجم — سجی بزم تیری یادوں کی — ۱۶۵

- ایک فرد جو اپنی ذات میں انجمن تھا — ۱۶۷
- ایک شخص کہ جو محسنِ ملّت تھا — ۱۷۳
- اللہ کی چاہت — ۱۷۹
- آیات شفاء — ۱۸۱

پیش لفظ

محبِّ گرامی ڈاکٹر رحمت الٰہی صاحب بین الاقوامی یونیورسٹی میں میرے رفیقِ کار ہیں۔ ہر چند وہ ریاضیات کے اُستاد ہیں تاہم اسبابِ زوالِ اُمت پر تحقیق و تفتیش کے فرض کو بھی اپنا خاص مضمون سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر رحمت الٰہی ایک دردمند دل اور ایک بیدار ذہن کے مالک ہیں اور یوں انتہائی دردمندی اور بڑی دل سوزی کے ساتھ اُمتِ مسلمہ کو زوال و انحطاط کی لپیٹ سے نکال کر عروج و ارتقاء کے راستے پر گامزن دیکھنے کے تمنائی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ''کشتِ شب'' میں انہوں نے بڑی ذہانت کے ساتھ اپنی اِس مقدس تمنا کی صورت گری کا فرض سرانجام دیا ہے۔ میں انہیں اِس کتاب کی تصنیف پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

پروفیسر فتح محمد ملک

رئیس جامعہ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر رحمت الٰہی صاحب بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے شعبہ ریاضی (Mathmetics) کے سربراہ ہیں۔ وہ ہماری یونیورسٹی کے بہت سرگرم اساتذہ میں شامل ہیں اور خصوصاً تحقیق کے میدان میں بہت ہی فعال ہیں۔ نہ صرف خود لکھتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ وہ ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) کے مقرر کردہ اعلیٰ معیارات کے حامل'' ISI '' مجلات میں تحقیقی مقالات لکھنے کی وجہ سے بین الاقوامی مجلات کی مجلس ادارت کے ممبر بھی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں یونیورسٹی کے اساتذہ کے اعزازی مشیر بھی ہیں۔

ان کی صلاحیتوں کا یہ پہلو مجھ پر کچھ دن پہلے ہی آشکار ہوا کہ وہ نہ صرف اسلامی ذہن رکھتے ہیں بلکہ مسلمانوں کی زبوں حالی پر اقبال کی طرح مضطرب رہتے ہیں۔ اسی اضطراب نے انہیں مسلمانوں کو خوب غفلت سے جگانے کے لیے لکھنے پر آمادہ کیا۔ ان پُر اثر مضامین کو اب ایک کتاب کی شکل میں "کِشتِ شب" کے نام سے چھپوایا جا رہا ہے۔ میں ڈاکٹر صاحب کو ان کی اس کاوش پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ ان مضامین میں، جس کا اعتراف انہوں نے حرفِ اوّل ہی میں کر دیا ہے در اصل ان کے مشاہدات اور دلی واردات کا اظہار ہے جسے بہت ہی مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مجھے یقین ہے اس کتاب کو پڑھنے والے اور خصوصاً نوجوان اس سے زادِ راہ پائیں گے اور پاکستان اور ملت اسلامیہ کی خوش حالی اور ترقی کے لیے مستعد ہو جائیں گے۔

مجھے امید ہے ڈاکٹر صاحب اب سائنسی مضامین کے ساتھ ساتھ اپنی اس نو یافت تڑپ اور لگن کو قرطاسِ ابیض پر منتقل کرتے رہیں گے۔

ڈاکٹر انوار حسین صدیقی

صدر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

☆☆☆☆☆☆☆

صحافت اور کالم نگاری کا پہلا درجہ تو آئینے کی طرح حقائق کو واشگاف کرنا ہے۔ اس سے اعلیٰ تر درجہ یہ ہے کہ ذہن سازی اور کردار سازی میں حصہ لیا جائے۔ اسلامی اعتبار سے اس کا اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ قاری کے دل و دماغ میں اسلامی اقدار کو آسمانی ہدایات کی روشنی میں اس طرح راسخ کیا جائے کہ وہ حالات و حقائقِ حاضرہ کے بارے میں ایک تعمیری فکر اختیار کرتے ہوئے اپنے نفس کا تزکیہ کرنے اور معاشرے میں سماجی و معاشی عدل کے قیام کو یقینی بنانے کے لیے آمادہ کرے۔ یہ کارِ پیغمبری ہے۔

یہ محض دیکھنے اور دکھانے کا کا معاملہ نہیں بلکہ بننے سنورنے، بنانے سنوارنے اور آرائش و زیبائش سے ہو کر تہذیبِ ذات، فروغِ ذات و فروغِ معاشرہ اور تحسینِ ذات و تحسینِ معاشرہ کے حوالے سے چیلنج ہے۔ ڈاکٹر رحمت الٰہی کی یہ کاوش دراصل اسی اعلیٰ ترین درجے کی طرف سفر سے عبارت ہے۔

خلیل الرحمٰن چشتی

الفوز اکیڈمی، اسلام آباد

☆☆☆☆☆☆☆

کِشتِ شب کے مضامین دردمند دل رکھنے والے مومن کی ایک ایسی آواز ہے جو نہ صرف انسان کو مومنانہ بصیرت سے آگاہ کرتی ہے بلکہ اس کو مہمیز بھی دیتی ہے جس سے وہ کام لے کر میدان فکر و عمل میں بہتر کارکردگی اور نتائج کے لیے سرگرم ہو جاتا ہے اور یہی چیز انسان کی دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہے۔

محمد خان منہاس

الفوز اکیڈمی، اسلام آباد

☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر رحمت الٰہی کی تحریر کا جو پہلو تحیّر آمیز ہے۔ وہ اس کی شائستگی، حسن اور جاذبیت کی سحر انگیزی ہے جو قاری کو مسلسل مسحور کیے رکھتی ہے لیکن اس کے باوجود تحریر میں موجود مسلمانوں کے لیے دردمندی و تفکر اور مطالعے کی وسعت فوری طور پر قاری کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔

ڈاکٹر روش ندیم

شعبۂ اردو بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

☆☆☆☆☆☆☆

حرف اوّل

سچ پوچھیے تو میں کوئی بہت زیادہ باعمل مسلمان ہوں اور نہ ہی میرا مقصد اپنے آپ کو لکھاریوں کی فہرست میں شامل کرانا ہے۔ میں بنیادی طور پر سائنس کا ایک طالبِ علم ہوں۔ میرا ادب کی دنیا سے بھلا کیا سروکار؟

میرے ایک مرّبی نے ،جنہیں میں سچا سمجھتا ہوں' ایک بار کسی سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا:

''یہ خود تو اتنا دین دار نہیں مگر دین اور دینداروں سے محبت ضرور رکھتا ہے''۔

یقین جانیے میرا یہی تعارف' میری حقیقت اور میرا سرمایۂ زیست ہے۔

میرے لیے یہ نسبت ہی کافی ہے کہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے دین سے محبت رکھنے والوں سے پیار کرتا ہوں۔

اُحِبُّ الصَّالِحِینَ وَلَستُ مِنهُم
لَعَلَّ اللّٰہَ یَرزُقُنِي صَلَاحاً

(ترجمہ) ''اگرچہ میں صالحین میں سے تو نہیں ہوں لیکن اُن سے اس لیے محبت کرتا ہوں کہ شاید اللہ مجھے بھی اُن میں شامل فرما دے۔''

ایک عرصے سے میری دلچسپی و تفکر کا محور یہ بات رہی ہے کہ میں تاریخ کے اوراق پہ بکھری امتِ مسلمہ کی کوتاہیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے روشن مستقبل کے بارے میں کوئی لائحہ عمل تلاش کروں۔

اس جستجو میں راہِ حق کے اُن مسافروں سے میرا تعارف ہوا جن کی ساری زندگی اسی تڑپ میں گزری ہے۔

ے اسی فکر میں غنچے زرد ہوئے
اسی سوچ میں کلیاں سوکھ گئیں
آئینِ گلستاں کیا ہوگا؟
دستور بہاراں کیا ہوگا؟

دوسرا میں اکثر سوچتا ہوں کہ اللہ سے بچھڑے ہوئے بندوں کو اس کے قریب لانے کی اپنے تیئں ذرا سی کوشش خواہ بے مایہ سہی مگر کیسے کی جائے؟ وہ رب کتنا کریم ہے جو نہ کبھی طعنہ دیتا ہے نہ ہی کبھی شرط لگاتا ہے کہ دیکھ اس بار معاف کر رہا ہوں آئندہ نہیں کروں گا۔ وہ تو کہتا ہے میری محبت کی بانہیں تیرے لیے ہمیشہ کشادہ ہیں جب بھی توبہ کرو گے معاف کر دوں گا۔ روایات میں آتا ہے کہ جب کوئی گناہگار بندہ توبہ کرتا ہے تو رب کریم عرش پر فرشتوں کے درمیان اعلان کرتا ہے کہ آج میرے فلاں بندے یا بندی نے توبہ کر کے مجھ سے صلح کر لی' فرشتو! گواہ رہنا میں نے اسے معاف کر دیا۔

پتا نہیں کیوں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اکثر علمائے کرام اللہ کی ذات کو اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے (نعوذ باللہ) وہ کوئی بہت سخت اور ظالم قسم کی لٹھ بردار ہستی ہے حالانکہ قرآن و حدیث کے کثیر مقامات اس کی مہر و محبت کے شاہد ہیں۔ وہ شدید العذاب ہونے کے ساتھ ساتھ غفور الرحیم بھی ہے۔ جہاں وہ یادِ حق سے دور اپنے بندوں کو بہت ہی پیار سے اپنی جانب بلاتا ہے کہ اے میرے بندو! تم اپنے رب کریم کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ جو ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے اور ایسے ہی اپنے بندے کی راہ دیکھتا ہے جیسے کوئی ماں اپنے روٹھے بیٹے کے انتظار میں تمام شب گھر کی دہلیز پہ گزار دیتی ہے۔ اور جب وہ نادم ہو کر واپس لوٹتا ہے تب کہیں اس کے بے قرار دل کو قرار آتا ہے۔ صاحبو! رب کریم کا معاملہ تو اس سے بھی کہیں بڑھ کے ہے۔ یوں قرآن و حدیث کے پھولوں کی وہ مہک جس

سے میری پیاسی روح کو قرار ملتا اسے میں اپنے دل کی بستی میں بسا لیتا۔

نہ جہاں میں کہیں اماں ملی ، جو اماں ملی تو کہاں ملی

مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے ربّ کریم کی محبت کا یہ پہلو بہت اچھا لگا اور جی چاہا کہ اللہ کے بندوں کے سامنے اس کا اظہار کروں تا کہ اس کے خوف کی بجائے اس کی محبت اور حیا کے احساس سے انسان گناہ کرنا چھوڑ دے۔

قرآن وحدیث کے مطالعے کے بعد جو میں نے سمجھا وہ یہ ہے کہ عزت ورزق، امن وحکمرانی اللہ کی دین ہے اور ذلت سے بچنے کے لیے پناہ صرف اللہ کا دامنِ رحمت ہے جسے حاصل کرنے کے لیے اس وقت اجتماعی اور انفرادی طور پر ملت کے ہر فرد کو توبہ اور دعا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔اس لیے تمنا ہے کہ توبہ اور دعا کے ذریعے رجوع الی اللہ میرا دوسرا موضوع بنے۔

فلسفے سے عاری ان سادہ باتوں کو دوسروں کو سنانے کے لیے میں مسافرانِ حق کے افکار کی خوشہ چینی سے وقتاً فوقتاً قومی اخبارات، خصوصاً روزنامہ ''نوائے وقت''، ''پاکستان''، ''جنگ'' اور ''افکارِ معلم'' میں لکھتا رہا۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر پستی میں گری امتِ مسلمہ کو اس پستی سے نکالنے کے لیے صراط مستقیم کی یاد دہانی ہی دراصل میرے ان مضامین کا موضوع ہے۔ بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے جانے کی آرزو اور میری کئی شب کے تفکر کا ثمر'' کِشتِ شب'' کا عنوان ٹھہرا۔

رہا یہ سوال کہ جب یہ سب کسی نہ کسی انداز سے پہلے موجود تھا تو مجھے لکھنے کی آخر ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ اس کے لیے عرض کرتا چلوں کہ آپ نے سنا ہوگا کہ ایک بڑھیا رسی کا چھوٹا سا ٹکڑا لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے مصر کے بازار میں جا رہی تھی

یا اس چڑیا کی کہانی جو اپنی چونچ میں پانی لے کر اس آگ کو بجھانے چلی جس میں ابراہیم خلیل اللہ کو ڈالا جا رہا تھا۔ پتہ دونوں کو تھا کہ ان کی یہ کوششیں بار آور نہیں ہوں گی۔ نہ اس رسی سے یوسف علیہ السلام ملیں گے نہ چونچ کے پانی سے آسمان کو چھوتے شعلے بجھ پائیں گے مگر جس طرح وہ دونوں رب کے دربار میں اتمامِ حجت کے لیے نکل کھڑی ہوئیں بالکل کچھ ایسا ہی میں بھی سوچتا ہوں کہ جب حشر میں میرا رب مجھ سے پوچھے گا کہ جب مسجدیں ویران ہو رہی تھیں، امت مسلمہ پہ کڑا وقت تھا اس وقت تم نے کیا کیا؟ تو میں اپنے رب کو کیا جواب دوں گا۔ میری یہ کاوش دراصل دل کی اسی بے چینی کا اظہار اور خون لگا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کا باعث بنی۔

غمِ زندگی کا حسرتؔ شب و روز کیا بتائیں
میری سوچ کی بلندی، میری ہمتوں کی پستی

میں خاص طور پر پروفیسر فتح محمد ملک، پروفیسر انوار حسین صدیقی، پروفیسر ظفر حجازی، پروفیسر حسین احمد ملک، پروفیسر حفیظ الرحمان، پروفیسر محمد خان منہاس، پروفیسر خلیل الرحمان، پروفیسر حافظ نثار، پروفیسر انوار احمد اور پروفیسر حافظ حمید کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور ساتھ ہی اپنے اعزہ و اقارب کا بھی جن کی دعائیں ہمیشہ میرے لیے اندھیروں میں روشنی کا سامان رہیں۔ اللہ ان سب پہ اپنی رحمت فرمائے۔ آمین

میری اس کوشش میں اگر کوئی خوبی نظر آئے تو یہ خالصتاً رب العزت کی ذات کی وجہ سے ہے اور اگر کوئی خامی ہو تو یہ میری اپنی کوتاہی ہے۔ احباب سے گزارش ہے کہ غلطیوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ دعا کریں کہ اللہ اسے میرے حق میں حجت بنائے۔ آمین!

ڈاکٹر رحمت الٰہی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

۲۳ مارچ ۲۰۱۰ء

باب اوّل

ذرا قرنِ اوّل کو آواز دینا

امتِ مسلمہ کل اور آج

خلافتِ بغداد میں خلیفہ و امراء' ظاہری شان و شوکت' نمود و نمائش' لہو لعب میں بری طرح غرق ہو چکے تھے۔ اخلاقی بے راہ روی' رشوت کی گرم بازاری' جاگیروں اور جائیدادوں کے حصول کا جنون' زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی فکر' دین سے دوری' گانے بجانے والوں کی کثرت' دل بہلانے والے مشاغل کا شوق المختصر غیر اخلاقی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ۶۵۶ھ میں تاتاری عذابِ الٰہی کی طرح نازل ہوئے اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ خوارزم شاہ جو سب سے طاقتور مسلمان تھا' تاتاریوں کے خوف سے بھاگتا پھرتا تھا یہاں تک کہ ایک نامعلوم جزیرے میں مرا۔ چنگیز خان' بخارا پر قبضے کے بعد شہر کی جامع مسجد میں داخل ہوا اور مسجد کے ایک حصے کو گھوڑوں کا اصطبل بنا دیا اور وہاں کے علماء کو ان گھوڑوں کو دانہ کھلانے اور ان کی جگہ کی صفائی ستھرائی پر مامور کیا اور خود مسجد کے دوسرے حصے میں اپنی فتح کا جشن منانے میں مصروف ہو گیا۔ تیسرے روز شہر کے باہر شہر کے معززین' شرفاء و امراء کو جمع کر کے ان سے یوں مخاطب ہوا:

''میں عذابِ الٰہی ہوں۔ تم نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے جس کے محاسبے کے لیے میں آیا ہوں۔ اگر تم نے کوئی بڑا گناہ نہ کیا ہوتا تو خدا مجھے عذاب بنا کر نہ بھیجتا۔ نوجوان عورتوں کو مردوں سے الگ کر دو''۔

اب مرد' عورتیں اور بچے رو رہے تھے' نوجوان عورتوں سے ان کے مردوں کے سامنے ہی ان کی عصمت دری کی جانے لگی یہ حیا سوز مناظر جب کچھ نوجوانوں سے برداشت نہ ہوئے تو وہ تاتاریوں پر غضبناک ہو کر ٹوٹ پڑے اور

نہتے ہی لڑتے ہوئے مارے گئے۔ سمرقند کے محاصرے کے دوران جب ۳۰ ہزار ترک فوج دشمن سے جاملی اور شہر کے دروازے دشمن کے لیے کھول دیئے تو ۳۰ کے ۳۰ ہزار ترکوں کو ایک ہی رات قتل کر دیا گیا کیونکہ بقول چنگیز خان غدار ہمیشہ غدار ہی رہتا ہے۔ ''نِسا'' کے مقام پر مردوں، عورتوں اور بچوں کو ایک دوسرے کے اوپر لٹا کر ۷۰ ہزار لاشوں کی پہاڑی بنائی گئی۔ بقول مؤرخین نیشاپور میں تقریباً سترہ لاکھ پچاس ہزار لوگ قتل کئے گئے۔ صرف چار سو کاریگر زندہ بچے تھے۔ اسی طرح تقریباً ۱۶ لاکھ انسانوں کو ہرات اور اس کے نواحی علاقوں میں قتل کیا گیا۔

''مرو'' شہر میں ایک ایک تاتاری نے چار چار سو باشندگانِ شہر کو قتل کیا۔ شہر کی تمام عمارتیں جلا کر راکھ کر دی گئیں۔ کچھ مسلمان تہہ خانوں میں چھپے ہوئے تھے، تاتاریوں نے ان کو باہر نکالنے کے لیے اذانیں دلوائیں۔ وہ لوگ سمجھے کہ تاتاری جا چکے ہیں مگر جونہی باہر آئے، قتل کر دیے گئے۔

تاتاریوں کی ہیبت اور مسلمانوں کی بزدلی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ایک تاتاری ایک گلی میں گھسا جہاں سو مسلمان موجود تھے مگر کسی کو مقابلے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس نے ایک ایک کر کے سب کو قتل کر دیا اور اس پر کسی نے ہاتھ نہ اٹھایا۔ ایسا بھی ہوا کہ کسی تاتاری نے ایک مسلمان کو گرفتار کیا اور کہا اس پتھر پر سر رکھ دو، میں اپنی تلوار لا کر تیری گردن اتاروں گا۔ مسلمان سہا پڑا رہا، اس کو بھاگنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ تاتاری اپنی تلوار لے کر واپس آیا اور اس کی گردن اتار دی۔ پورے عالمِ اسلام میں ایک خوف اور مایوسی کا عالم تھا۔ تاتاری جس طرف اپنا رخ کرتے ان ملکوں اور شہروں کی شامت آ جاتی مورخ ان مظالم کے بارے میں لکھتا ہے:

''کاش میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا۔ کاش میں اس سے پہلے ہی مر گیا ہوتا۔ کون ہے جس کے لیے آسان ہو کہ اسلام اور مسلمانوں کی بربادی' قتلِ عام' ذلت و بے آبروئی کی داستان لکھے؟''

مورخ ابن اثیر کہتے ہیں: ''بغداد جو دنیا کا پُر رونق شہر تھا۔ یہاں چالیس دن قتل و غارت کا بازار گرم رہا' ایسا اجڑا اور ایسا ویران ہوا کہ بازاروں' راستوں پر لاشوں کے ڈھیر اور ٹیلے نظر آتے تھے۔ ان لاشوں پر بارش ہوئی تو صورتیں بگڑ گئیں بد بو اور وباء اس قدر پھیلی کہ ملکِ شام بھی اس وباء سے نہ بچ سکا''۔

مہنگائی' وباء اور فنا کا دور دورہ تھا۔ ہلاکو خان نے علماء اور امراء کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیا۔ معزول خلیفہ معتصم باللہ کو قالین میں لپیٹ کر ٹھوکروں اور لاتوں سے اتنا مارا کہ وہ مر گیا۔ جب ہلاکو خان نے مقتولین کو شمار کرایا تو آٹھ لاکھ شمار ہوئے۔ مسجدوں کے اندر شراب انڈیلی گئی۔ اذان پر پابندی لگا دی گئی۔ مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ شراب پئیں اور سور کا گوشت کھائیں۔ بغداد میں ان وحشیوں نے کسی انسان پر رحم نہ کیا۔ عورتوں' مردوں اور بچوں کو قتل کیا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیے اور بچوں کو مار ڈالا۔

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے

اسی طرح صدیوں اسپین پر حکومت کرنے کے بعد سر زمین اندلس سے مسلمانوں کی آخری سلطنت کا خاتمہ وہاں کے مسلمانوں کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوا۔ شہرِ غرناطہ عیسائیوں کے حوالے کرتے وقت مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ جو لوگ زیادہ اور با اثر تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شہر کی چابیاں عیسائیوں کے حوالے کر

دی جائیں۔ ان سے شرائط طے کرلیں تو شاید یہ ہمارے محافظ ہوں گے۔ لیکن شہر غرناطہ کی تحویل کے وقت عیسائیوں نے وحشی ہونے کا بھرپور ثبوت دیا۔ عیسائی سلطنت سے عام اعلان کیا گیا کہ دینی آزادی ختم کی جاتی ہے اور اب کوئی شخص اعلانیہ اسلام کے ارکان ادا نہیں کرسکے گا۔ ۱۴۹۹ء میں فرڈیننڈ نے شاہی حکم جاری کیا کہ کوئی غیر عیسائی اسپین میں نہ رہنے پائے۔ تمام مسلمان اس ملک سے جہاں چاہیں نکل جائیں۔ غرناطہ کی سب سے بڑی جامع مسجد کو گرجا گھر میں تبدیل کردیا گیا۔ مسلمان بچوں کو عیسائی بنا دیا گیا۔ مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے نام بدل لیں۔ ۱۵۲۴ء میں اشبیلیہ کے بڑے پادری نے شاہ سے ایک فرمان کے ذریعے مسلمانوں کے لیے عربی زبان کا بولنا اور لکھنا' عورتوں کا برقعہ اوڑھنا' اپنا مخصوص لباس پہننا' غسل' وضو غرض تمام اسلامی شعائر کو ممنوع قرار دلوا دیا۔ عیسائی دائیں ہاتھ میں تلوار اور بائیں ہاتھ میں صلیب لیے مسلمانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اسلامی اعمال کی بجا آوری سے روکتے تھے۔

غرناطہ کے تمام گھروں کی تلاش لی گئی اور عربی زبان کی جتنی کتابیں ملیں انہیں ضبط کرکے آگ لگا دی گئی۔ ان کتابوں کی تعداد دس لاکھ تھی۔ مورخین کا خیال ہے کہ فرڈیننڈ کے قبضہ سے لے کر اس کے آخری جلاوطنی کے حکم تک ۳۰ لاکھ لوگوں نے اسپین چھوڑا اور افریقہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سے بھی تین چوتھائی مسلمانوں کو راستے ہی میں قتل کردیا گیا۔

اسپین کا آخری مسلمان بادشاہ اندلس کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ کر افریقہ چلا گیا اور مراکش کے شاہ کا ملازم ہوگیا۔ الحمرا چھوڑتے ہوئے جب اس نے کنجیاں پادری کے سپرد کیں تو کہا:

۹۱/۵۸

''جاؤ اور ان قلعوں پر قبضہ کرلو جن کو اللہ نے ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے تمہارے قبضے میں دے دیا''۔

پادری نے شاہی حکم کے مطابق قلعہ کے سب سے بڑے بُرج کے اوپر سے اسلام کا نشان گرا کر اس کی جگہ صلیبی پرچم لہرا دیا۔

پھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کم از کم ایک سے دو لاکھ مسلمان ذبح کئے گئے۔ ہراساں پردہ نشین خواتین جان بچانے کے لیے بے پردہ گھروں سے نکلیں اور موت کے گھاٹ اتار دی گئیں۔ انگریزوں سے خود کو بچانے کے لیے ان باعصمت عورتوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ پانی میں ڈوبنے کی جگہ نہ رہی چنانچہ جو عورتیں اوپر گریں وہ زندہ رہیں۔ دہلی پر جب انگریزوں کا قبضہ مکمل ہوگیا تو انہوں نے جامع مسجد کو سکھ دستوں کا کیمپ بنا دیا۔ سکھوں نے مسجد میں غلاظت بکھیر دی' اندر گھوڑے باندھے گئے اور سؤر پکائے گئے۔ انگریز اپنے کتوں کے ساتھ مسجد کے اندر چلے جاتے تھے جو مسلمان جتنا زیادہ معزز ہوتا اتنا ہی اسے ذلیل وخوار کر کے قتل کیا جاتا۔ انگریزوں نے ۲۷ ہزار افراد کو پھانسی دی۔ انگریز جب پناہ گزینوں کے کسی گروہ کے گرد گھیرا ڈال لیتے تو نوجوان مردوں کو گرفتار کر کے ناقابل برداشت اذیتیں دی جاتیں۔

انگریز مصنف رابرٹس جو اس وقت دہلی میں تھا اپنی کتاب ''ہندوستان میں اکتالیس سال'' میں لکھتا ہے:

''لاہوری دروازے سے نکل کر ہم چاندنی چوک سے گزرے۔ دہلی درحقیقت شہرِ خموشاں بنا ہوا تھا۔ ہمارے گھوڑوں کے سموں کی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ ہر طرف لاشیں پڑی تھیں۔ کتے اور گدھ لاشوں کے اعضاء کھا رہے

تھے۔ ہم ان کے قریب سے گزرتے تو وہ اپنی غذا سے پرے ہٹ جاتے۔ بعض لاشوں کی حالت ایسی تھی جیسے وہ زندہ ہوں یہ منظر ایسا ہیبت ناک اور دہشت انگیز تھا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا''۔

خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں کہ جب ہزار ہا مسلمان مارے گئے تو ان کی لاوارث بیویاں' کنواری اور بیاہی لڑکیاں' بہنیں اور مائیں بے سہارا رہ گئیں۔ ان میں سے بہت سی عورتوں نے انگریزی فوج کے مسلمانوں سے شادیاں کرلیں اور بعض نے بدچلنی کا پیشہ اختیار کرلیا۔ ہزاروں شریف زادیاں بھیک مانگنے لگیں۔ امیرزادوں کی حالت یہ تھی کہ وہ حوالات اور قید میں بھی شطرنج کی بازیاں لگاتے تھے حالانکہ روزانہ ایک یا دو کو پھانسیاں ہوتی تھیں یعنی تختہ دار تک پہنچ کر بھی وہ لہوولعب سے باز نہ آئے۔

پھر بوسنیا میں سربیا کے عیسائیوں نے ظلم وستم' وحشت وبربریت اور اجتماعی آبروریزی میں انگریزوں اور نازیوں کا ریکارڈ بھی توڑ دیا۔ صلیبی جنگوں کا انتقام لینے کے لیے ایک کروڑ مسلمانوں کو شہید اور بچوں کو ذبح کیا۔ والدین کو اپنے ہی بچوں کا خون پینے پر مجبور کیا۔ بعض سرب عیسائیوں نے مسلمان بچوں کے سرتن سے جدا کرکے ان کے سروں کو گلیوں اور سڑکوں پر پاؤں کی ٹھوکریں مارتے ہوئے کہا کہ ہم فٹ بال کھیل رہے ہیں۔ مسلمانوں کو گھروں سے باہر نکال کر سنگینوں سے ان کے چہروں کو چھلنی کیا گیا۔ ان کی آنکھیں نکال دی گئیں۔ نوجوان لڑکیوں کو پکڑ کر فوجی کیمپوں میں لے گئے۔ مسلمانوں کی لاشوں کو کتوں اور سؤروں کے آگے ڈال دیا گیا۔ ''فو'' میں جہاں کا ٦٥ فیصد مسلمان تھے آج ایک بھی نہیں۔ قصہ مختصر کشمیر ہو' فلسطین ہو یا چیچنیا، مسلمان ہر جگہ بری طرح پسا۔

پھول پھول خوابوں کی زخم زخم تعبیریں
ہائے کیا تصور تھا' ہائے کیسا منظر ہے

امریکہ بہادر نے افغانستان میں ظلم کا وہ بازار گرم کیا کہ ''الامان والحفیظ''۔ لاکھوں نہتے افغانوں کو بمباری کر کے تباہ و برباد کر دیا۔ مختلف علاقوں میں ہزاروں افراد کو قتل اور اغواء کیا گیا۔ عورتوں کی چھاتیاں کاٹ کر اور پیٹ چاک کر کے انہیں مرنے کیلئے ایک طرف پھینک دیا گیا۔ لاشوں کو سڑکوں پر گھسیٹا گیا۔ اور کیوبا کے گوانتاناموبے جزیرے میں ہزاروں مسلمانوں کو جانوروں کی طرح پنجروں میں بند کر کے انسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے۔ دوسری طرف عراق جنگ میں نہتے اور مظلوم عراقی عوام پر جدید ترین ٹیکنالوجی کے ساتھ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ظلم و جبر کی نئی تاریخ رقم کی۔ تاریخی پس منظر میں جھانکیں تو تاتاریوں کی طرح آج امریکہ بہادر جہاں جاتا ہے وہاں کے گلزار اور پُر رونق شہر تاخت و تاراج کرتا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف سہمی ہوئی امتِ مسلمہ عالمِ مایوسی میں مقابلے کی ہمت نہیں کر پاتی۔ افغانستان پر جب امریکہ تباہی و بربادی کے بم برسا رہا تھا تو ہر اسلامی ملک کا یہ رویہ تھا کہ ہمیں بس کچھ نہ کہو، اُسے بے شک ختم کر دو۔ امتِ مسلمہ نے افغانستان کی چابیاں امریکہ کے حوالے کیں اور پھر عراق میں ظلم و ستم کی تاریخ دہرائی۔ سب خاموش تماشائی بنے رہے اور عراق کی مدد کو کوئی تیار نہیں ہوا۔ مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ حدیث میں تو آتا ہے کہ امتِ مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے جسم کے کسی حصے پر چوٹ آئے تو پورا جسم درد محسوس کرتا ہے۔ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے'' آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں' عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے

تھے۔ ہم ان کے قریب سے گزرتے تو وہ اپنی غذا سے پرے ہٹ جاتے۔ بعض لاشوں کی حالت ایسی تھی جیسے وہ زندہ ہوں یہ منظر ایسا ہیبت ناک اور دہشت انگیز تھا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا''۔

خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں کہ جب ہزار ہا مسلمان مارے گئے تو ان کی لاوارث بیویاں' کنواری اور بیاہی لڑکیاں' بہنیں اور مائیں بے سہارا رہ گئیں۔ ان میں سے بہت سی عورتوں نے انگریزی فوج کے مسلمانوں سے شادیاں کر لیں اور بعض نے بدچلنی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ ہزاروں شریف زادیاں بھیک مانگنے لگیں۔ امیرزادوں کی حالت یہ تھی کہ وہ حوالات اور قید میں بھی شطرنج کی بازیاں لگاتے تھے حالانکہ روزانہ ایک یا دو کو پھانسیاں ہوتی تھیں یعنی تختہ دار تک پہنچ کر بھی وہ لہو و لعب سے باز نہ آئے۔

پھر بوسنیا میں سربیا کے عیسائیوں نے ظلم و ستم' وحشت و بربریت اور اجتماعی آبروریزی میں انگریزوں اور نازیوں کا ریکارڈ بھی توڑ دیا۔ صلیبی جنگوں کا انتقام لینے کے لیے ایک کروڑ مسلمانوں کو شہید اور بچوں کو ذبح کیا۔ والدین کو اپنے ہی بچوں کا خون پینے پر مجبور کیا۔ بعض سرب عیسائیوں نے مسلمان بچوں کے سر تن سے جدا کر کے ان کے سروں کو گلیوں اور سڑکوں پر پاؤں کی ٹھوکریں مارتے ہوئے کہا کہ ہم فٹ بال کھیل رہے ہیں۔ مسلمانوں کو گھروں سے باہر نکال کر سنگینوں سے ان کے چہروں کو چھلنی کیا گیا۔ ان کی آنکھیں نکال دی گئیں۔ نوجوان لڑکیوں کو پکڑ کر فوجی کیمپوں میں لے گئے۔ مسلمانوں کی لاشوں کو کتوں اور سؤروں کے آگے ڈال دیا گیا۔ ''فو'' میں جہاں کا ۶۵ فیصد مسلمان تھے آج ایک بھی نہیں۔ قصہ مختصر کشمیر ہو' فلسطین ہو یا چیچنیا، مسلمان ہر جگہ بری طرح پسا۔

پھول پھول خوابوں کی زخم زخم تعبیریں
ہائے کیا تصور تھا' ہائے کیسا منظر ہے

امریکہ بہادر نے افغانستان میں ظلم کا وہ بازار گرم کیا کہ ''الامان والحفیظ''۔ لاکھوں نہتے افغانوں کو بمباری کر کے تباہ و برباد کر دیا۔ مختلف علاقوں میں ہزاروں افراد کو قتل اور اغواء کیا گیا۔ عورتوں کی چھاتیاں کاٹ کر اور پیٹ چاک کر کے انہیں مرنے کیلئے ایک طرف پھینک دیا گیا۔ لاشوں کو سڑکوں پر گھسیٹا گیا۔ اور کیوبا کے گوانتاناموبے جزیرے میں ہزاروں مسلمانوں کو جانوروں کی طرح پنجروں میں بند کر کے انسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے۔ دوسری طرف عراق جنگ میں نہتے اور مظلوم عراقی عوام پر جدید ترین ٹیکنالوجی کے ساتھ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے ظلم و جبر کی نئی تاریخ رقم کی۔ تاریخی پس منظر میں جھانکیں تو تاتاریوں کی طرح آج امریکہ بہادر جہاں جاتا ہے وہاں کے گلزار اور پُر رونق شہر تاخت و تاراج کرتا جاتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف سہمی ہوئی امتِ مسلمہ عالمِ مایوسی میں مقابلے کی ہمت نہیں کر پاتی۔ افغانستان پر جب امریکہ تباہی و بربادی کے بم برسا رہا تھا تو ہر اسلامی ملک کا یہ رویہ تھا کہ ہمیں بس کچھ نہ کہو، اُسے بے شک ختم کر دو۔ امتِ مسلمہ نے افغانستان کی چابیاں امریکہ کے حوالے کیں اور پھر عراق میں ظلم و ستم کی تاریخ دہرائی۔ سب خاموش تماشائی بنے رہے اور عراق کی مدد کو کوئی تیار نہیں ہوا۔ مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ حدیث میں تو آتا ہے کہ امتِ مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے جسم کے کسی حصے پر چوٹ آئے تو پورا جسم درد محسوس کرتا ہے۔ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے ''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں' عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پاکر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے

باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے (النساء:۷۵)''۔

کب تک مسلمانوں کے خون کی ہولی اور عزت وآبرو کی دھجیاں بکھرنے کا منظر دیکھو گے؟ تم یہ سمجھتے ہو کہ تم محفوظ ہو؟ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا؟ جو مسلمان لڑکی کو اپنی بہن نہیں سمجھتا، وہ کیسا مسلمان ہے اور اگر یہی حالت رہی تو وہ وقت دور نہیں جب

ع تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

امتِ مسلمہ کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے سورۃ بقرہ کی آیت ۶۱ کے الفاظ ذہن میں گردش کرتے ہیں:

''ان پر ذلت ومسکنت تھوپ دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے''۔ ایسا کیوں ہوا؟ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا: میری امت پر ایک وقت آنے والا ہے جب غیر مسلم باقی غیر مسلم اقوام کو اس طرح بلائیں گے جس طرح لوگ ایک دوسرے کو دستر خوان پر کھانے کے لیے بلاتے ہیں اور مسلمانوں کو چن چن کر کھائیں گے۔ صحابہؓ حیران ہو کر عرض کرتے ہیں۔ یارسول اللہ! کیا ہم تعداد میں اتنے تھوڑے ہو جائیں گے۔ فرمایا نہیں۔ تم سمندر کی جھاگ کی طرح ہو گے لیکن تمہارے اندر ﴿وھن﴾ کی بیماری آجائے گی۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا۔ یارسولؐ اللہ! ﴿وھــــن﴾ کیا ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا۔ دنیا سے محبت اور موت کا ڈر''۔ (ابوداؤد:۴۔۱۸۴)

امریکہ اور برطانیہ کو دوست بنانے والے اس بات کو ذہن نشین کر لیں جو قرآن پاک میں واضح درج ہے کہ اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ بلکہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان کو دوست رکھے گا وہ انہیں میں سے ہوگا (المائدۃ:۵۶)۔ آج امتِ مسلمہ کو متحد ہو کر اپنے

فروعی تنازعات اور باہمی رنجشیں بھلا کر پوری قوت کے ساتھ باطل قوتوں سے ٹکرا جانے کی ضرورت ہے۔ اجتماعی طور پر عراقی اور افغان مسلمانوں کا خون بہت ارزاں بیچا گیا۔ اللہ سے اپنے کیے پر نادم ہو کر معافی مانگنے کا وقت ہے۔ اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ تو پھر پستی و ذلت ہمارا مقدر ہو گی۔

؎ دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں ؟
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

امتِ مسلمہ پہ آج جو کڑا وقت ہے اسے دیکھ کر مولانا الطاف حسین حالؔی کے اشعار بے اختیار زباں پر آ جاتے ہیں۔

؎ اے خاصۂ خاصانِ رسلؐ وقتِ دعا ہے
امت پر تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا' وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
فریاد ہے اے کشتیِ امت کے نگہبان
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

یاد رکھیں خطرہ اسلام کو نہیں بلکہ مسلمانوں کو ہے اور ہم میں سے ہر ایک ایسے رہنما کی تلاش میں ہے جو فوراً ایک عظیم معجزے سے قوم کی تقدیر بدل دے لیکن اپنے حصے کا کام کرنے کو کوئی تیار نہیں حالانکہ

؎ اب ضرورت ہے کہ دل والے اُچھالیں خونِ دل
شب کے سائے بڑھ کے صبحِ ضوفشاں تک آ گئے

ے جس سورج کی آس ہے تم کو شاید وہ بھی آئے
یہ بتلاؤ تم نے اب تک کتنے دیئے جلائے ؟

آج طاغوت للچائی نظروں سے پاکستان کو دیکھ رہا ہے۔اب بھی وقت ہے کہ ہم ہوش کے ناخن لیں اور امریکہ اور نیٹو کے جال سے نکلیں۔ وگرنہ غرناطہ واندلس، افغانستان وعراق کی تاریخ دہرانے کے لیے صلیب کے پجاری تو تیار بیٹھے ہیں۔ربّ کریم سے ناطہ جوڑے بغیر اس کی طرف پلٹ آنے کے علاوہ بچنے کی کوئی صورت نہیں کیونکہ

ے اب کے ممکن نہیں حالات کی گتھی سُلجھے
اہلِ دانش نے بہت سوچ کے اُلجھائی ہے

......☆......☆......☆......☆......

صلح کراؤ اور انصاف کرو

قرآن مجید کے چھبیسویں (۲۶) پارہ کی ''سورۃ الحجرات'' کی آیات نمبر ۹ اور ۱۰ میں یہ بتایا گیا کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اس صورت میں دوسرے مسلمانوں کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کراؤ اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے''۔

جب آپ ان آیات کے ابتدائی حصے پر غور کریں تو پتا چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ: ''جب'' اہلِ ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑیں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ''اگر'' اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑیں۔ ان الفاظ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپس میں لڑنا مسلمانوں کا معمول نہیں ہے اور ہونا بھی نہیں چاہیے نہ مومن ہوتے ہوئے آپس میں لڑنا مسلمانوں کا معمول ہے اور نہ ان سے یہ امر متوقع ہے کہ وہ مومن ہوتے ہوئے آپس میں لڑا کریں گے۔ البتہ ''اگر'' کبھی ایسا ہو جائے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے۔ یہاں ''فرقہ'' کی بجائے ''طائفہ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں فرقہ بڑے گروہ کے لیے اور طائفہ چھوٹے گروہ کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہ

ایک انتہائی ناپسندیدہ حالت ہے، جس میں مسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتوں کا مبتلا ہو جانا متوقع نہیں ہونا چاہیے۔ اچھا ''اگر'' کبھی ایسا ہو جائے کہ دو مسلمان گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو وہ تمام مسلمان جو ان دونوں گروہوں میں شامل نہ ہوں اور جس کے لیے ان کے درمیان صلح کی کوشش کرنا ممکن ہو ان کی ذمہ داری کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمانوں کا یہ کام نہیں ہے کہ ان کی اپنی ملت کے دو گروہ آپس میں لڑ رہے ہوں اور وہ بیٹھے ان کی لڑائی کا تماشا دیکھتے رہیں بلکہ جب یہ افسوسناک صورتحال پیدا ہو، اُنھیں خدا سے ڈرایا جائے۔ بااثر لوگ فریقین کے ذمہ دار آدمیوں سے جا کر ملیں۔ نزاع کے اسباب معلوم کریں اور اپنی حد تک ہر وہ کوشش کریں جس سے ان کے درمیان مصالحت ہو سکتی ہو۔ اگر مصالحت ناکام ہو جائے تو مسلمانوں کا یہ کام بھی نہیں کہ زیادتی کرنے والے کو زیادتی کرنے دیں اور جس پر زیادتی کی جا رہی ہو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں یا الٹا زیادتی کرنے والے کا ساتھ دیں بلکہ ان کا فرض یہ ہے کہ اگر لڑنے والے فریقین میں صلح کرانے کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں تو پھر یہ دیکھیں کہ کون حق پر ہے اور کون زیادتی کرنے والا؟ جو حق پر ہو اس کا ساتھ دیں اور جو زیادتی کرنے والا ہو اس سے لڑیں۔ اس لڑائی کا چونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس لیے یہ واجب ہے اور جہاد کے حکم میں ہے۔ اس کا شمار اس فتنے میں نہیں ہے، جس کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا:

''اس میں کھڑا رہنے والا چلنے والے سے اور بیٹھ جانے والا کھڑا رہنے والے سے بہتر ہے''۔ (بخاری: ۳۔۱۳۱۸)

کیونکہ اس فتنے سے مراد تو مسلمانوں کی باہمی لڑائی ہے جس میں فریقین عصبیت، حمیتِ جاہلیہ اور طلبِ دنیا کے لیے لڑ رہے ہوں اور دونوں میں سے کوئی بھی

حق پر نہ ہو۔ رہی یہ لڑائی جو زیادتی کرنے والے گروہ کے مقابلہ میں برسرِ حق گروہ کی حمایت کے لیے لڑی جائے تو یہ فتنے میں حصہ لینا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ تمام فقہاء کا اس کے وجوب پر اتفاق ہے اور رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ میں اس کے واجب ہونے پر کوئی اختلاف نہ تھا (''احکام القرآن للجصاص: ۵۔۲۸۱'')۔ بلکہ بعض فقہاء تو اسے جہاد سے بھی افضل قرار دیتے ہیں اور ان کا استدلال یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنا سارا عہدِ خلافت' کفار سے جہاد کرنے کی بجائے باغیوں سے لڑنے میں صرف کر دیا (بحوالہ روح المعانی)۔ اس کے واجب نہ ہونے پر اگر کوئی شخص اس بات سے استدلال کرے کہ حضرت علیؓ کی ان لڑائیوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ نے حصہ نہیں لیا تھا تو وہ غلطی پر ہے۔ ابن عمرؓ خود فرماتے ہیں:

''مجھے اپنے دل میں کسی بات پر اتنی زیادہ کھٹک محسوس نہیں ہوئی جتنی اس آیت کی وجہ سے ہوئی کہ میں نے اللہ کے حکم کے مطابق اس باغی گروہ سے جنگ نہ کی''۔

(المستدرک للحاکم'' کتاب معرفة الصحابه' باب الرفع بيعة: ۳۔۶۴۳)

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ زیادتی کرنے والے گروہ سے ''قتال'' کرنے کا حکم لازماً یہی معنی نہیں رکھتا کہ اس کے خلاف ہتھیاروں سے جنگ کی جائے اور ضرور اس کو قتل ہی کیا جائے بلکہ اس سے مراد اس کے خلاف طاقت کا استعمال ہے اور اصل مقصود اس کی زیادتی کا ازالہ ہے۔ اس مقصد کے لیے جس طاقت کا استعمال ناگزیر ہو اسے استعمال کرنا چاہیے اور جتنی طاقت کا استعمال کافی ہو۔ نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔

اس ساری جدوجہد کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔

اس سے معلوم ہوا یہ لڑائی باغی یا زیادتی کرنے والے گروہ کو بغاوت یا زیادتی کی سزا دینے کیلئے نہیں بلکہ اُسے اللہ کے حکم کی طرف پلٹنے پر مجبور کرنے کے لیے ہے۔ اللہ کے حکم سے مراد یہ ہے کہ کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ کی رُو سے جو بات حق ہو اسے باغی گروہ قبول کر لینے پر آمادہ ہو جائے اور جو طرزِ عمل میزانِ حق کی رُو سے زیادتی قرار پاتا ہے اس کو چھوڑ دے۔ جونہی کوئی باغی گروہ اس حکم کی پیروی پر راضی ہو جائے' اس کے خلاف طاقت کا استعمال بند ہو جانا چاہیے۔ اس کے بعد مزید دست درازی کرنے والا خود زیادتی کا مرتکب ہوگا۔ اب رہی یہ بات کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی رُو سے ایک نزاع میں حق کیا ہے اور زیادتی کیا؟ تو لامحالہ اس کو طے کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو امت میں علم اور بصیرت کے لحاظ سے اس کی تحقیق کرنے کے اہل ہوں۔

اس آیت میں محض صلح کرا دینے کا حکم نہیں بلکہ عدل و انصاف کے ساتھ صلح کرانے کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ صلح کوئی قابلِ قدر چیز نہیں جو حق اور باطل کے فرق کو نظر انداز کر کے محض لڑائی روکنے کے لیے کرائی جائے اور جس میں برسرِ حق گروہ کو دبا کر زیادتی کرنے والے گروہ کے ساتھ بے جا رعایت برتی جائے۔ صلح وہی صلح ہے جو انصاف پر مبنی ہو' ورنہ حق والوں کو دبانے اور زیادتی کرنے والوں کی ہمت افزائی کرنے کا نتیجہ لازماً یہ ہوتا ہے کہ خرابی کے اصل اسباب جوں کے توں باقی رہتے ہیں بلکہ ان میں اور اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس سے بار بار فساد برپا ہونے کی نوبت پیش آتی ہے۔ (تفہیم القرآن)

آگے فرمایا:

''اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

یہ آیت مسلمانوں کے باہمی جنگ کے بارے میں شرعی قانون کی اصل بنیاد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کے درمیان جنگ کی کبھی نوبت نہیں آئی جس وجہ سے آپ کے عمل اور قول سے اس سے متعلق زیادہ احکام کی تفصیلات معلوم نہیں ہوتیں۔ بعد میں اس قانون کی مستند تشریح اس وقت ہوئی جب حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں خود مسلمانوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں۔ اس وقت چونکہ بکثرت صحابہؓ موجود تھے' اس لیے ان کے عمل اور ان کے بیان کردہ احکام سے اسلامی قانون کے اس شعبے کا مفصل ضابطہ مرتب ہوا۔ خصوصاً حضرت علیؓ کا اسوہ اس معاملہ میں تمام فقہاء کا اصل مرجع ہے۔

آخر میں فرمایا:

''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا''۔

یہ آیت دنیا بھر کے مسلمانوں کی ایک عالمگیر برادری قائم کرتی ہے اور یہ اسی کی برکت ہے کہ دوسرے دین یا مسلک کے پیروکاروں میں وہ اخوت ناپید ہے جو مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے۔ اسی حکم کی اہمیت اور اس کے تقاضوں کو رسول ﷺ نے اپنے بکثرت ارشادات میں بیان فرمایا ہے جن سے اس کی پوری روح سمجھ میں آسکتی ہے۔

حضرت جریرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں: رسول ﷺ نے مجھ سے تین باتوں پر بیعت لی۔ ایک یہ کہ نماز قائم کروں گا۔ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دیتا رہوں گا تیسرے یہ کہ ہر مسلمان کا خیر خواہ رہوں گا۔ (بخاری:۱۔۳۱)

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان

کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر''۔ اسی مضمون کی روایت حضرت سعید بن مالکؓ نے بھی نقل کی۔ (مسند احمد: ۱۔۴۳۳)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان' مال اور عزت حرام ہے''۔
(مسلم: ۴۔۱۹۸۶' ترمذی: ۴۔۳۲۵)

حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور وہ اس پر ظلم نہیں کرتا۔ اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اس کی تذلیل نہیں کرتا۔ ایک آدمی کے لیے یہی شر بہت ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے''۔ (مسند احمد: ۲۔۳۱۱)

حضرت سہلؓ بن سعد ساعدی آپ ﷺ کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ:

''اہل ایمان کے گروہ کے ساتھ ایک مومن کا تعلق ویسا ہی ہے جیسے سر کا دوسرے جسم سے تعلق ہوتا ہے۔ وہ اہل ایمان کی ہر تکلیف کو اسی طرح محسوس کرتا ہے جس طرح سر جسم کے ہر حصے کا درد محسوس کرتا ہے''۔ (مسند احمد: ۵۔۳۴۰)

النعمان بن بشیر سے روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

''مومنوں کی مثال آپس کی محبت' وابستگی اور ایک دوسرے پر رحم وشفقت کے معاملہ میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے کسی عضو کو بھی تکلیف ہو تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے''۔
(بخاری: ۵۔۲۲۳۸ و مسلم: ۴۔۱۹۹۹)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہوا کہ ''مومن ایک

دوسرے کے لیے ایک دیوار کی اینٹوں کی طرح ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے سے تقویت پاتے ہیں''۔ (بخاری' کتاب الادب: ۵۔۲۲۵۷)

ان احادیث مبارکہ میں اہل ایمان کو یہ احساس دلایا گیا کہ دین کے مقدس ترین رشتے کی بناء پر وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ان کو خدا سے ڈرتے ہوئے آپس کے تعلقات درست رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اگر کبھی افسوس ناک صورتحال پیدا ہو جائے تو اہل ایمان کو چین سے نہیں بیٹھ جانا چاہیے بلکہ علم اور بصیرت کے لحاظ سے تحقیق کرنے والے اہل افراد اپنی تمام کوشش کے ساتھ ان کے درمیان مصالحت کرائیں۔ اگر ناکامی ہو تو جو حق پر ہو اس کا ساتھ دیں اور زیادتی کرنے والے کے ساتھ جب اور جتنی طاقت کا استعمال ناگزیر ہو اسے استعمال کرتے ہوئے زیادتی کا ازالہ کیا جائے۔ صلح وہی صحیح ہے جو انصاف پر مبنی ہو کیونکہ مسلمان تو مسلمان کا بھائی ہے اور ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا مال' جان اور آبرو حرام ہے۔

''اگر تم ایسا کرو گے تو امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا''۔

آخر میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے' کوئی بھی انقلاب لانے سے پہلے مشاورت بہت ضروری ہے۔ مشاورت کا مطلب بھی لوگوں نے غلط سمجھ لیا ہے۔ مشاورت صرف متعلقہ مضمون کے ماہرین جو عقل اور سمجھ بوجھ کے حوالے سے دنیا میں ایک مقام رکھتے ہوں اور عوام الناس کا ان پر اعتماد ہو' ان سے لینی چاہیے مثلاً آپ معاشیات میں انقلاب لانا چاہتے ہیں تو آپ کو ملک کے ممتاز ماہرینِ معاشیات سے مشاورت کے بعد عملی اقدام اٹھانا ہوگا۔ اگر سائنس میں انقلاب سائنسدانوں کی مشاورت اور عملی حصہ لیے بغیر' ممکن نہیں تو

احکامِ شریعت کے نفاذ میں کیسے ممکن ہے کہ جن علمائے کرام کی حقانیت کو دنیا مانتی ہو اور جن کا احترام عوام کے دلوں میں پایا جاتا ہو ان سے مشاورت کئے بغیر ان کی بات مانے بغیر' تنہا اس سفر پر نکلا جائے جو ایک نہایت دشوار گزار اور مشکل راستہ ہے۔ تاریخ میں بارہا دیکھنے میں آیا کہ تصوف و کشف کی بنیاد پر کبھی کوئی اسلامی انقلاب نہیں آیا۔ مجدد الف ثانیؒ سے لے کر سید احمد شہیدؒ اور ان کے بعد یا موجودہ دور میں بھی جب بھی کسی نے خوابوں اور تصوف کی بنیاد پر شریعت کے نفاذ کی کوشش کی' چاہے ان کے نظریات سو فیصد درست ہوں یا ان کی شریعت کے نفاذ کے سلسلے میں ان کی نیتوں میں سو فیصد اخلاص ہو لیکن غلط طریقہ کار کی وجہ سے غیروں نے تو کیا خود اپنوں نے بھی انہیں پیس کر رکھ دیا۔

شریعت کشف کی بنیاد پر نہیں، بلکہ قرآن وسنت کے مضبوط اور محکم دلائل کی روشنی میں جاگتی آنکھوں کے ساتھ' اہلِ علم کی مشاورت سے نفاذ پذیر ہونے والی چیز ہے۔

......☆......☆......☆......☆......

میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں؟

آئے دن دنیا کے کسی نہ کسی گوشے میں معصوم مسلمانوں کے بہنے والے خونِ ارزاں کو دیکھ کر مدنی سرکار ﷺ کی قربِ قیامت کے متعلق پیشین گوئی کیا اب بھی امت مسلمہ کو خوابِ غفلت سے بیداری کرنے کے لیے کافی نہیں؟ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک جس کا مفہوم کچھ یوں ہے۔

''ایک وقت آئے گا جب مارنے والے کو یہ پتا نہیں ہوگا کہ وہ کس جرم میں دوسرے کو مار رہا ہے اور مرنے والے کو یہ خبر نہیں ہوگی کہ اسے کس جرم میں مارا جا رہا ہے''۔ (مسلم: ۸۔۱۸۳)

قرآنِ حکیم، اسوۂ رسول کریم ﷺ اور سیرت صحابہؓ ہی وہ ذرائع ہیں، جن سے ظلمتوں نے نور اور گمراہوں نے ہدایت پائی۔ انہی ہدایت کے سرچشموں سے دکھی انسانیت کے غموں کا علاج اور زندگی کی اندھیری راہوں میں کامیاب منزل کا تعین ممکن ہے۔ روشنی کے ان میناروں کی طرف آئیں جو نشانِ منزل کا پتا بتانے کے لیے ہر آن آج بھی اُفق پہ چمک رہے ہیں۔

سورۃ مائدہ کی آیت نمبر: ۳۲ میں رب کریم کا ارشاد ہے:

''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی''۔

اس آیتِ مبارکہ پہ غور کریں تو واضح طور پر پتا چلتا ہے کہ ربّ کریم نے

''مسلمان'' یا ''مومن'' کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ ''انسان'' کی بات کی۔ چاہے وہ انسان کسی بھی مذہب یا کسی بھی قوم کا ہو۔ ذرا تصور کریں اگر رب کے ہاں ایک عام انسان کے خون کی حرمت اس قدر ہے تو ایک مسلمان کے خون کی قیمت کیا ہو گی؟ بہرحال جو شخص کسی ایک انسان کو ناحق قتل کرتا ہے وہ صرف ایک فرد پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا دل حیاتِ انسانی کے احترام اور جذبۂ ہمدردی سے خالی ہے۔ لہٰذا وہ پوری انسانیت کا دشمن ہے۔ ایسی صفت دراصل پوری انسانیت کے خاتمہ کا پیش خیمہ ہے۔ اس کے برعکس جو شخص انسانی زندگی کے قیام میں مدد دیتا ہے۔ وہ درحقیقت انسانیت کا زبردست حامی ہے۔ کیونکہ ہر انسان کے دل میں دوسرے انسان کی جان کا احترام ہی وہ جذبہ ہے جس پر زندگی کی بقا اور تحفظ کا انحصار ہے۔ (تفہیم القرآن)

سورۃ مائدہ ہی کی آیت نمبر ۲۸ - ۲۷ جہاں آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے ربِّ کریم نے ارشاد فرمایا:

''آخر کار اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لیے آسان کر دیا اور اسے مار کر ان لوگوں میں شامل ہو گیا جو نقصان اٹھانے والے ہیں''۔

سورۃ نساء کی آیت نمبر ۹۲ تا ۹۳ میں قتلِ عمد کی چار سزائیں بتاتے ہوئے اللہ نے فرمایا!

''کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کر ڈالے اِلّا یہ کہ اس سے چُوک ہو جائے۔ اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے (۱) اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ (۲) اس پر اللہ کا غضب ہے۔ (۳) اُس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ (۴) اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار رکھا ہے''۔

اس آیت میں مومن کے قتل پر نہایت سخت وعید بیان کی گئی۔ اتنی سخت چار (۴)

سزائیں بیک وقت کسی بھی گناہ کی بیان نہیں کی گئیں۔جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مومن کو قتل کرنا اللہ کے ہاں کتنا بڑا جرم ہے۔احادیث میں بھی اس پر سخت وعیدیں بیان کی گئیں۔مومن کے قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں؟ اس بارے میں بعض علماء مذکورہ بالاسخت وعیدوں کے پیش نظر قبول توبہ کے قائل نہیں۔کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جو توبہ سے بھی ساقط نہیں ہوتے۔لیکن قرآن و حدیث کی نصوص سے واضح ہے کہ خالص توبہ سے ہر گناہ چاہے چھوٹا ہو یا بہت بڑا اس کی معافی ممکن ہے۔کیونکہ اللہ چاہتا ہے کہ جس بندے سے خطا ہو، وہ عبادت' کارِ خیر اور ادائے حقوق کے ذریعے سے اس کا اثر اپنی روح سے دھودے۔اور شرمساری و ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف کچھ اس طرح سے رجوع کرے کہ نہ صرف یہ گناہ معاف ہو بلکہ آئندہ اس کا نفس ایسی غلطیوں کے اعادہ سے بھی محفوظ رہے۔اگر کوئی توبہ نہ کرے تو اس کی سزا ہمیشہ کی جہنم ہے۔

سیرت سرور کونین ﷺ پر نظر دوڑایئے۔بے شمار مواقع پہ آپ ﷺ نے ایک دوسرے کی جان، مال اور آبرو کے تحفظ کا حکم دیا ہے۔مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے دن آپ ﷺ جب بطنِ وادی میں تشریف لے گئے تو اس وقت آپ ﷺ کے گرد انسانوں کا سمندر ٹھاٹیں مار رہا تھا۔آپ ﷺ نے ان کے درمیان ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا:

''لوگو میری بات سنو! کیونکہ میں نہیں جانتا۔شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میں تم سے پھر کبھی مل سکوں۔تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر حرام ہے جس طرح تمہارے لیے آج کے دن کی، رواں مہینے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے''۔(سنن الدارمی:۱۔۸۶)

حدیث میں آتا ہے:

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔(بخاری:۱۔۱۳،مسلم:۱۔۴۸)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا!

''ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان، مال اور آبرو حرام ہے''۔(مسلم: ۸۔۱۰،ترمذی:۴۔۳۲۵)

اس طرح کے اور بھی بے شمار ارشادات احادیث کی کتب میں موجود ہیں۔ایک اہم معرکہ جو آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں پیش آیا وہ معرکۂ موتہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس لشکر کا سپہ سالار زید بن حارثہؓ کو مقرر فرمایا۔آپ ﷺ نے اس لشکر کو یہ وصیت فرمائی! اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں، اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے غزوہ کرو۔ دیکھو بدعہدی نہ کرنا۔ نہ کسی بچے اور عورت اور انتہائی سن رسیدہ بوڑھے اور گرجے میں رہنے والے تارک الدنیا کو قتل کرنا۔ نہ درخت کاٹنا اور نہ کسی عمارت کو منہدم کرنا۔(رحمۃ للعالمین)

جنگِ اُحد میں حضرت ابودجانہؓ صفوں پہ صفیں درہم برہم کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ میں نے ایک انسان کو دیکھا وہ لوگوں کو بڑے زور و شور سے جوش اور ولولہ دلا رہا ہے۔اس لیے میں نے اس کو نشانے پر لیا۔لیکن جب تلوار سے حملہ کرنا چاہا تو اس نے ہائے مچائی۔ پتا چلا کہ وہ عورت ہے۔ یہ عورت ہند بنت عتبہ تھی جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا اور صحابہؓ کے ناک کان کاٹ کے پاؤں کی پازیب بنا کے پہنی۔حضرت ابودجانہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ہند کے سر کے بیچوں بیچ بلند کی ہوئی تلوار ہٹالی اور رسول ﷺ کی عطا کی ہوئی تلوار کو

بٹہ نہ لگنے دیا کہ اس سے کسی عورت کو ماروں۔ (ابن ہشام:۲۔۶۸)

قرآنِ حکیم اسوۂ رسول کریم ﷺ اور سیرتِ صحابہؓ کو سامنے رکھتے ہوئے ذرا دیر سوچیے کہ یہ کیسے مسلمان ہیں جو ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہے ہیں؟ درحقیقت مسلمان تو مسلمان کو قتل کر ہی نہیں سکتا۔ جب کبھی کوئی ایسا کرتا ہے تو سب سے پہلے اس کا ایمان سلب کر لیا جاتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے قیامت کے دن سب سے پہلے سوال تو نماز کے بارے میں ہوگا لیکن سب سے پہلے فیصلہ قتلِ ناحق کا کیا جائے گا (سنن نسائی کبری:۲۔۲۸۵)۔ اسلام تو حالتِ جنگ میں بھی بچوں اور عورتوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ ناحق بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے والے، عمارتوں کو بے مقصد منہدم کرنے والے قرآن وحدیث اور سیرتِ صحابہ کرامؓ کے آئینے میں اپنے چہروں کو دیکھ لیں کہ عقیدے کی بنیادی غلطی ان کے سارے نامۂ اعمال کو غارت کر کے انہیں جہنم کا مستحق نہ ٹھہرا دے اور انہیں اس کی خبر تک بھی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''اور جب زندہ گاڑھی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی (التکویر:۸تا۹)۔ جب جہنم قریب دہکائی جائے گی (التکویر:۱۲)۔ اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے (التکویر:۱۶)''۔ اسلام، پاکستان اور مسلمان دشمن قوتیں آج لاکھ اپنا چہرہ چھپالیں مگر یاد رکھیں وہ وقت دور نہیں جب سب کیا چٹھا کھول کر سامنے رکھ دیا جائے گا۔

جو چپ رہے گی زبانِ خنجر
لہو پکارے گا آستین کا

☆☆☆☆

پلٹ آؤ اپنے ربّ کی طرف

آج امت مسلمہ موت کے خوف اور مایوسی میں کچھ اس طرح سے گھر گئی کہ نکلنے کی کوئی راہ نہیں پارہی۔ اب تو حال یہ ہے کہ مایوسی کے ان اندھیروں میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا۔ حالانکہ اللہ اور اس کے فرشتے آج بھی اندھیروں سے اجالوں میں اور ظلمتوں سے نور کی طرف لے جانے کے لیے ہمارے انتظار میں ہیں۔

ے فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردُوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اس وقت ہمیں اپنی سوچ اور رویّوں کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے۔

اصل سرچشمہ قوت صرف وہ وحدہٗ لاشریک ذات ہے۔ عزت و دولت کے فیصلوں کا سبھی اختیار بھی اسی کے پاس ہے۔ جہاں تک موت کی بات ہے قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر اس بات کو دہرایا گیا کہ موت کے فیصلے کا وقت اللہ کی مقرر کی ہوئی مدت سے نہ ایک گھڑی پہلے آسکتا ہے اور نہ وقت آنے کے بعد ایک لمحہ کے لیے رک سکتا ہے۔ مثلاً سورۃ یونس کی آیت نمبر: ۴۹ میں فرمایا:

''ہر امت کے لیے مہلت کی ایک مدت ہے، جب یہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو گھڑی بھر کی تقدیم و تاخیر بھی نہیں ہوتی''۔

سورۃ المنافقون کی آیت نمبر ۱۱ میں ارشاد فرمایا:

''جب کسی کی مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آ جاتا ہے تو اللہ اس کو ہرگز مزید مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس

سے باخبر ہے''۔

سورۃ النساء کی آیت نمبر: ۷۸ میں ارشاد فرمایا:

''رہی موت تو جہاں بھی تم ہو وہ بہر حال تمہیں آ کر رہے گی خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو''۔

اللہ کا قاعدہ ہے کہ وہ ہر فرد کو انفرادی حیثیت کے مطابق اور ہر گروہ اور قوم کو اجتماعی حیثیت کے مطابق سوچنے، سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے کافی وقت دیتا ہے۔ کس کو کتنی مہلت ملتی ہے اس کو وہی بہتر جانتا ہے۔ پھر جب وہ مہلت جو اس کے لیے مقرر کی گئی تھی پوری ہو جاتی ہے تب اللہ کا فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے۔ کوئی بشر موت سے بچ نہیں سکتا چاہے وہ گھر کے اندر ہی کیوں نہ بیٹھا ہو۔ اور اگر اس کی مہلت عمل ابھی کچھ باقی ہے تو میدانِ جنگ میں بھی اسے کچھ نہیں ہوگا۔ اگر اس بات کا یقین ہو کہ موت کا اختیار اور وقت سب اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے تو پھر کسی سے ڈرنا کیسا؟ یہی دراصل وہ رازِ حیات ہے جس کسی نے پایا وہ سرخرو ہو گیا۔ موت کے ڈر سے نکلنے کی ضرورت ہے کیونکہ موت کا ڈر انسان میں خوف اور مایوسی پیدا کرتا ہے اور مایوسی کفر تک لے جاتی ہے۔ ہر شئے کا نگہبان اور ہر حال میں سبھی کی ضرورتوں کا خیال رکھنے والا ربِّ کریم جب کفالت کے لیے موجود ہے تو پھر مایوسی چہ معنی دارد؟

سورۃ یوسف کی آیت نمبر ۸۶ جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں سے مخاطب ہیں!

''میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا اور اللہ سے جیسا میں واقف ہوں تم نہیں ہو۔ اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہونا اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی

مایوس ہوا کرتے ہیں۔''

پھر آگے چل کے سورۃ الزمر کی آیت نمبر:۵۳ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا!

''اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ سارے کے سارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ وہ تو غفور ورحیم ہے۔''

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ گناہوں کی معافی کی صورت بندگی اور اطاعت کی طرف پلٹ آنے کے ساتھ مشروط ہے۔ چنانچہ ساتھ ہی آگے فرمایا: ''پلٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور مطیع بن جاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب آ جائے اور پھر تمہیں کہیں سے مدد نہ مل سکے۔''

قرآنِ پاک میں بے شمار مقامات میں اس بات کو دہرایا گیا کہ کسی سے ڈرنے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ ڈرنا ہے تو صرف اللہ کی ذات سے۔ اور اس ذات کی موجودگی میں مایوس ہونے کی کوئی گنجائش نہیں۔ بڑھ کر ربّ کریم کا دامن تھام لیجئے جو اپنی باتوں میں سچا ہے۔ اور کون ہے اس سے بڑھ کر وعدہ وفا کرنے والا؟ (التوبہ:۱۱۱)

اس قرآن کا لکھا ان مٹ ہے۔ اٹل ہے خدا کی اُس لوحِ محفوظ میں ثبت ہے، جس کے اندر کوئی ردو بدل نہیں ہو سکتا (یونس:۶۴)۔ جو بات اس میں لکھ دی گئی وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔ تمام دنیا مل کر بھی اسے باطل کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی۔ سارے کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

آج ہم امریکہ سمیت بھارت اور اسرائیل کو لاکھ اس بات کا ذمہ دار

ٹھہرائیں کہ امتِ مسلمہ اور خصوصاً پاکستان کے اندر پھیلنے والی انارکی کے ذمہ دار یہ ہیں۔ کبھی ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بدامنی دہشت گردوں کا کیا دھرا ہے۔ کبھی کہتے ہیں اِس کا ہاتھ ہے اور کبھی فلاں کا۔ یاد رکھیں اللہ کے اذن کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

سورۃ النساء آیت نمبر ۷۹ میں فرمایا:

''جو بھی نفع یا نقصان تمہیں پہنچتا ہے سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔''

سچ یہ ہے کہ آج ہم سب اللہ تعالیٰ کے تنبیہی عذاب میں گرفتار ہیں۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو جس دن اجتماعی ہلاکتیں نہ ہوتی ہوں۔ اگر کوئی خودکش حملہ نہ بھی ہو تو ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ کبھی آگ لگ جاتی ہے تو کہیں زلزلوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ سب دراصل خدائی ترکش کے تیر ہیں۔ مدنی سرکار ﷺ نے فرمایا، جب کبھی ایسی صورت پیش آ جائے اور اس سے بچنا چاہو تو تیر کمان والے کے پہلو میں آ جانا۔ لیکن یہ پناہ صرف اسی صورت ممکن ہے جب مطیع بن کر توبہ استغفار کرتے ہوئے رجوع الی اللہ کیا جائے۔ پھر تمہارے لیے اس دنیا میں بھی پاکیزہ زندگی ہے اور آخرت میں بھی۔

......☆......☆......☆......☆......

غربتِ اسلام

آج اسلام خود اہل اسلام کے لیے اجنبی و بیگانہ ہے۔ غیروں کے لیے تو جتنا یہ عجیب ہے وہ تو ہے ہی مگر اہل اسلام کا اپنا یہ حال ہے کہ جب آپ ان کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں تو وہ حیرت کے ساتھ کہتے ہیں یہ اسلام تم کہاں سے نکال لائے ہو؟

قانونِ الٰہی کی جگہ خود اپنا قانون بنا کر چلانے والے سے جب آپ کہتے ہیں کہ یہ شرک ہے تو وہ آپ سے یہی کہتا ہے کہ یہ مسئلہ تم کہاں سے لے آئے ہو؟ یہ تو انتہا پسندی ہے۔ دنیا بہت ترقی کر چکی ہے اور تم ہو کہ ہر چیز میں اسلام گھسیٹ لاتے ہو۔ ایک درگاہ کے زائر سے جب آپ یہ کہتے ہیں کہ جو تو وہاں تبرک حاصل کرنے اور مرادیں پوری کرانے جاتا ہے تو بھائی یہ شرک ہے اور اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا تو اسے یہ سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے اور اس کے خیال میں آپ اسلام کی روحانیت کو برباد کر دینے کے درپے ہیں۔ اکثر کی زندگی میں اب کلمہ کچھ نہیں کرتا حتیٰ کہ یہ کلمہ اب شرک کے راستے میں رکاوٹ تک نہیں بنتا۔ چاہے وہ عقیدے کا شرک ہو' عبادت کا شرک ہو اور چاہے حکم و قانون کا شرک۔ آج اگر آپ سوشیالوجی کے پروفیسر سے کہتے ہیں کہ آپ نے جو علوم مغرب سے لیے ہیں اور جو کچھ آپ یہاں مسلمان طلبہ کو پڑھا رہے ہیں یہ بعض جگہ اسلام کے عقائد سے براہ راست متصادم ہیں تو ان میں سے بہت تھوڑی تعداد کو چھوڑ کر بیشتر سے آپ کو یہی جواب ملے گا کہ اسلام کا ان علوم وفنون سے بھلا کیا واسطہ؟ یہ سوشل سائنس اور سماجی مطالعہ ہے جبکہ اسلام ایک مذہب ہے اور تم ہر چیز میں اسلام

گھسیٹ لاتے ہو۔ بھلا مذہب کا سماجیات سے کیا سروکار؟

ایسے بے شمار امور ہیں جن میں آپ لوگوں کو اسلام کی صحیح تصویر دکھاتے ہیں تو وہ حیرت و پریشانی کا اظہار کرتے ہیں یا کم از کم تعجب ضرور کرتے ہیں۔ جب آپ انہیں بتائیں کہ وہ جسے اسلام سمجھتے رہے وہ سرے سے اسلام ہی نہیں۔ آج بے شمار مسلمان ایسے ہیں جو اسلام کے ایک حصے سے واقف ہیں تو دوسرے حصے سے ناواقف مگر سمجھتے یہی ہیں کہ پورے کے پورے اسلام کو جانتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے آج مسلمانوں کے اندر اسلام اجنبی اور غریب ہے۔

مدنی سرکار ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ اسلام کی ابتدا تھی تو یہ اجنبی اور نامانوس تھا۔ عنقریب وہ وقت آئے گا یہ اسی طرح پھر اجنبی ہو جائے گا جیسے شروع میں تھا (اخرجہ مسلم: ۱۔۹۰)۔ اسلام کی غربت ثانیہ کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ خود مسلمان اسلامی تعلیمات سے بیگانہ ہو کر اسلام کے معیار بھول گئے اور مغرب کے دیئے ہوئے معیار قبول کر بیٹھے۔ نتیجتاً عالمِ اسلام جس بحران سے آج گزر رہا ہے وہ ایک سنگین کا نوعیت بحران ہے۔ بلکہ عالمِ اسلام کو اپنی تاریخ میں پیش آنے والے تمام بحرانوں میں سے شدید ترین بحران ہے۔ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینے کے لئے دشمن جس طرح آج اکٹھے ہوئے ہیں یقیناً اتنے بڑے پیمانے اور اس قدر شدت سے دنیائے کفر آج سے پہلے اسلام کے خلاف کبھی اکٹھی نہیں ہوئی تھی۔ آج صورت حال یہ ہے کہ اقوامِ عالم اس امت پر ہر طرف سے اس طرح پل پڑی ہیں جس کی پیشین گوئی کبھی رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی:

''عنقریب وہ وقت آئے گا جب اقوام عالم تم پر یوں پل پڑیں گے جیسے بھوکے کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول ﷺ

کیا یہ اس وجہ سے ہوگا کہ تب ہم تھوڑے ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں تعداد میں اس وقت تم بہت زیادہ ہوگے مگر تم خس و خاشاک کی طرح بے وزن ہوگے جیسے خس و خاشاک سیلاب کی سطح پر تیرتے ہیں۔ اللہ دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب و دبدبہ ختم کر دے گا اور تمہارے دلوں میں وہن پیدا کر دے گا۔ ایک صحابیؓ نے دریافت فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہ ﴿وھــن﴾ کیا ہے فرمایا دنیا کی چاہت اور موت سے جی چرانا۔'' (ابوداود:۴۔۱۸۴)

آج عالمِ کفر امتِ مسلمہ کو مٹا دینے پر تلا ہے اور دوسری طرف بقول حالیؔ ہماری اخلاقی حالت یہ ہے:

ـــ جس دین نے تھے غیروں کے دل آ کے ملائے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے
چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے

اور بقول اقبالؒ

ـــ منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی (ﷺ)' دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی' اللہ بھی' قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

ہم اس حدیث کو بھول گئے کہ مسلمان جسدِ واحد کی مانند ہیں۔ جسم کے کسی

ایک حصے کو تکلیف ہو تو پورا بدن درد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم ٹکڑوں میں کچھ اس طرح تقسیم ہوئے کہ اپنی حقیقت سے دور ہو گئے۔ بقول اقبالؒ

؎ یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ کیا مسلمان بھی ہو؟

اے کاش جس طرح عالمِ کفر، اسلام اور اس کے نام لیواؤں کے خلاف اکٹھا ہو چکا ہے اسی طرح مسلمان بھی اپنے فروعی تعصّبات سے نکل کر یکجا ہو جائیں تو پھر یہیں سے اسلام کی غربت نشاۃِ ثانیہ میں بدل سکتی ہے۔ انسانیت کو اسلام کی آج بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی اس وقت تھی جبکہ آپ ﷺ نے اس کا ابلاغ فرمایا۔ اسلام پر عمل ہی وہ طریقۂ زندگی اور سلیقۂ بندگی ہے کہ جس سے یہ غربت ثانیہ ختم ہو سکتی ہے کیونکہ جب انسان کا معبود بس ایک لاشریک ذات ہو جاتی ہے تو پھر اس کے لاشعور اور احساسات میں ان باطل اور من گھڑت خداؤں کی موت واقع ہو جاتی ہے، جن کے مطالبے اور تقاضے پورے کرنے کے لیے انسان کو سو سو حصوں میں تقسیم ہونا پڑتا ہے۔ اس (توحید) کے علاوہ اور جتنے بھی راستے میں وہاں نفس کو ہر ایک کے پیچھے بھاگنا پڑتا ہے، جہاں ہر معبود کے اپنے مطالبے اور اپنے ہی تقاضے ہوتے ہیں اور اسی کھینچا تانی میں انسان کا ستیاناس ہو جاتا ہے (کیف ندعوا الناس)۔

......☆......☆......☆......☆......

اسلام بذریعہ جمہوریت

اس بات سے تو انکار نہیں کہ اسلام میں جمہوریت ہے لیکن کیا ضرور کہ موجودہ مغربی جمہوریت میں بھی اسلام ہو؟ دیکھنا یہ ہے کہ کیا آج کی ڈیموکریسی کا اسلام کی جمہوریت سے واقعی کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ ساری دنیا جانتی ہے کہ امریکہ اور یورپی یونین والے افغانستان، عراق اور پاکستان سمیت ہر اسلامی ملک کے اندر ڈیموکریسی کی ضرورت پر بڑا زور دے رہے ہیں۔ اگر آج کی ڈیموکریسی عین اسلام ہے تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کفر کی یہ طاقتیں اسلامی ممالک میں اسلام کا نفاذ چاہتی ہیں؟۔ امریکا کے کردار کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی یہ حسن ظن رکھ سکتا ہے کہ امریکہ اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور ان کی بہتری کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہے۔

ع اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا

مسلمانوں میں اب ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو برملا یہ کہتا ہے کہ مذہب کو سماجیات' سیاسیات یا اقتصادیات سے آخر کیا سروکار' تم ہر چیز میں اسلام کو کیوں گھسیٹ لاتے ہو؟ جبکہ مسلمانوں میں دوسرا طبقہ ایسا بھی موجود ہے جو اس سے تو انکار نہیں کرتا کہ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں ہونا چاہیے۔ مگر ان کے خیال میں جمہوری طریقے اور عوامی انداز کے ذریعے کوشش کرنی چاہئے اور جب پارلیمنٹ میں اکثریت ہو جائے گی تو شریعت کے قیام کے لیے راستہ صاف ہو جائے گا۔ یقیناً یہ آخری درجے کی سادگی ہے۔ اپنے ان مسلمان بھائیوں کے اخلاص پر مجھے کوئی شک نہیں لیکن آنکھیں کھولنے کے لیے الجزائر کو ہی دیکھ لیجئے۔ آج جو اپنے آپ کو

آزاد جمہوریت کہتے ہیں ان ہی کے قاعدے اور ضابطوں کی پابندی کرتے ہوئے جب اسلام پسندوں نے بیلٹ باکس کا طریقہ اپنایا اور جب الجزائر میں اسلام پسند پارلیمنٹ میں ووٹوں کی اس تعداد کو پہنچ گئے اقتدار پانے کے لیے کفر کی آزاد جمہوری طاقتیں جس کی شرط لگاتی ہیں اور اکثریت بھی دکھا دی تو آزاد جمہوری طاقتوں نے اپنے ہی اصولوں کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ پھر الجزائر میں جاہلیت نے اسلام اور اس کے نام لیواؤں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ سب کے سامنے ہے۔

دوسری طرف اخوان المسلمون کی تحریک ہمارے سامنے ہے جس نے عوام کا دینی شعور پختہ کیے بغیر جب ایک عوامی انداز اپنا لیا اور پھر اس میں رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔ عوام کو اکٹھا کرنے کی جلدی اور پھر ان عوام کو قافلے میں لے کر چلنے کی جلدی کر بیٹھنا جبکہ ان کے شعور میں ابھی پختگی نہ آئی ہو، ایک ایسی غلطی تھی جس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ گو اس تحریک نے ایسے افراد پیدا کر لیے تھے جن میں اخوت و محبت صرف خدا کے لیے تھی جو کہ خونی رشتوں کی محبت پر بھاری تھی۔ یقیناً ایسے پاک باز لوگ بھی تیار تھے جو معاملے کے کھرے اور ہر بات میں اللہ سے ڈرنے والے اور اس کے دین کے لیے سب کچھ لٹا دینے کو تیار تھے مگر اکثریت محض جذبات سے سرشار عوام کا ایک ٹولہ تھی جو صرف عقیدت اور جوش ہمدردی میں ساتھ آ ملے تھے۔ اس صبر آزما اور کٹھن راستے میں صرف جذبات کب تک ساتھ دیتے؟ محض جوش کیا کرتا۔ جب ظلم وستم کا بازار گرم ہوا تو جس طرح لوگ غول در غول اس تحریک کے ساتھ وابستہ ہوئے اسی رفتار سے پھر چھٹ بھی گئے کیونکہ سڑکوں پہ نکل آنے والی خلقت' وہ خلقت ہے جس کی نہ اپنی کوئی شخصیت ہوتی ہے نہ اپنی سوچ اور نہ اپنا کوئی موقف' نہ ہی اس کی اپنی کوئی فکری روش ہوتی ہے جس میں استقلال پایا

جائے۔ یہ عوام کا وہ بے قابو مجمع اور ایک رو میں بہنے والی خلقت ہوتی ہے جسے حدیث میں بے شخصیت کہا گیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

''بے شخصیت نہ بنو کہ کہنے لگو کہ لوگ بھلائی کریں تو ہم بھی بھلے آدمی ہوں گے۔لوگ برائی کرنے پر آئیں تو ہم بھی برا بن کر دکھائیں گے بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ لوگ بھلے ہوں یا برے تم اپنا نفس مار کر باہم ظلم وزیادتی سے دست کش ہی رہو''۔

عموماً اس طرح کی خلقت ذرائع ابلاغ کی پیداوار ہوتی ہے۔ ذرائع ابلاغ پہلے اس کو بناتے ہیں۔ پھر اس 'رائے عامہ' سے رجوع کرتے ہیں اور اس کا موقف جاننے کے لیے سروے کرتے ہیں جو کہ عین وہی ہوتا ہے جو کہ خود انہی نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہوتا ہے۔عوام الناس میں اگر ایک پُرزور انداز سے جذبہ عمل پھونک دینے میں کامیابی حاصل ہو بھی جائے تو اس کے نتیجے میں جو لوگ جذبات میں اٹھ کھڑے ہوں اور آگے بڑھنے پر آمادہ بھی ہو جائیں تو ان کی تربیت آخر کون کرے گا۔تربیت کرنے والے عین اس وقت اور موقع پر کہاں سے آئیں گے؟ کیا معاشرے پر اثر انداز ہونے والی قیادت ایک معقول حد تک تیار ہوگی؟ ان حالات میں خاص طور پر ایک مضبوط قیادت ہی اپنے پیچھے چلنے والوں کو باقاعدہ لائحہ عمل کے تحت ایک رخ بنا کر ایک ایسا ایمانی جتھا تیار کرسکتی ہے جو کسی مستقل اور مضبوط عمارت میں بنیادوں اور ستونوں کا کام دے سکے۔ایسے لوگ پھر محض تماشائی نہیں ہوتے جو معاشرے کی رو میں بہنے والے ہوں اور بس اسی بات میں دلچسپی رکھتے ہوں کہ دیکھیں یہاں جیت کس کی ہوتی ہے؟

بہرحال الجزائر ہو یا الاخوان جو ظلم وہاں اسلام پسندوں کے ساتھ ہوا' یہ ایسا سبق ہے جس سے جمہوری راستے پر چلنے والے اسلام پسندوں کو ہرگز

ہرگز اغماض نہیں برتنا چاہیے۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اس طرح کی تحریکوں کو پوری قوت سے کچل دینے کے لیے عالم کفر نے ہمیشہ فوجی آمروں کا انتخاب کیا۔ ضروری نہیں کہ ہر فوجی اس مہم کے لیے مناسب ہو اس مقصد کے لیے تین بنیادی شرطیں کسی فوجی حکمران میں پائی جانی ضروری ہیں۔ اقتدار کا جنون' بے رحمی اور اسلام سے بغض۔ اس کے بعد کچھ اضافی صلاحیتیں بھی ہوں تو کچھ حرج نہیں۔ یہاں اس بات کی حکمت بھی سمجھ میں آتی ہے کہ سویلین کی بجائے ہمیشہ فوج ہی کو کیوں استعمال کیا گیا۔ دراصل فوجی دور میں وہ سب کچھ آسانی سے کھپ جاتا ہے جو سویلین دور میں مشکل ہو۔ حکومت سول ہو تو جرائم کبھی اتنی بے باکی سے نہیں ہوسکتے۔ صرف اور صرف فوجی عدالتیں' آہنی ہاتھ اور کڑے اقدامات ہی آخری حد تک اتر سکتے ہیں۔

چلیے، ہم فرض کر لیتے ہیں یہ اسلام پسند طبقے کسی ملک میں اقتدار حاصل کر لیتے ہیں اور یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ عالمِ کفر آہنی ہاتھوں سے ان سے جنگ کرنے نہیں آتا حتیٰ کہ جدید انداز کی اقتصادی جنگ بھی اس نوزائیدہ اسلامی اقتدار کے ساتھ نہیں چھڑتی۔ پھر فحاشی و عریانی کو لگام دینے کیلئے اسلامی حکومت ٹی وی پر حیا سوز مناظر ختم کر دیتی ہے۔ بازاروں میں بے پردگی ممنوع قرار دیتی ہے۔ ریڈیو پر گانے بجانے پر پابندی لگا دیتی ہے تو کیا جذباتی عوام جو اسلامی پارٹیوں کی حمایت میں نعرے لگاتے تھے وہ اب بھی اسی جوش سے حمایت جاری رکھیں گے؟ یا پھر عوام کے کم از کم بعض روشن خیال طبقے بددلی دکھائیں گے اور پکار اٹھیں گے کہ یہ خواہ مخواہ کی سختی ہے؟ آخری بات یہ ہے کہ اگر کوئی سو فیصد ووٹ لے لیتا ہے مگر قانون اللہ کا نہیں چلاتا تو کیا وہ اقتدار اسلامی اقتدار مانا جائے گا؟ (کیف ندعوا الناس)

مسلمانوں کا محور صرف قرآن وحدیث ہے۔اس کے علاوہ اور جتنے بھی راستے ہیں وہ سب باطل ہیں اور باطل راستوں پر چل کر انسان بھٹک تو سکتا ہے مگر کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ انسانیت کو دکھوں سے نکالنے کا ایک ہی حل ہے اور وہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا راستہ۔جس پہ چلنے والوں کو اس بات کا بھی یقین ہوتا ہے کہ صراطِ مستقیم کو پانے کے بعد آزمائشوں سے گھبرا کر ہم کہیں اس راہ راست سے بھٹک گئے جائیں۔ وقتی طور پر خواہ اس کا انجام رونما ہوتا دکھائی نہ دیتا ہو لیکن ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب انجام پردۂ غیب سے ظاہر ہو کر رہے گا۔انھیں اس بات کا بھی اطمینان ہوتا ہے کہ اس راہ پر چلتے ہوئے خواہ بظاہر کوئی فائدہ حاصل نہ ہو رہا ہو لیکن چند روزہِ زندگی کا صبر وہمت کے ساتھ اگر پورا حق ادا کیا جائے تو انجام حقیقی فوز وفلاح پر مبنی ہوگا جس کا غیبی سامان رب کریم نے کر رکھا ہے۔

......☆......☆......☆......☆......

دنیا پر حکمرانی کون کرے گا؟

بنی نوع انسان کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً اپنے انبیاء علیہ السلام کو بھیجا اور جب بھی کسی نبی علیہ السلام کو مبعوث کیا تو فرمایا:

''کہ یہ میری کتاب ہدایت ہے اسے اپنی قوم کی طرف لے جاؤ اور اسے کہو کہ میری بندگی کریں''۔

جیسے سورۃ ھود میں تفصیلاً ذکر موجود ہے۔ مختصراً آپ کے سامنے ذکر کرتا ہوں۔

''ہم نے نوحؑ کو اس قوم کی طرف بھیجا تھا اس نے کہا میں تم لوگوں کو صاف صاف خبردار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو (نوح:۲۶۔۲۵)۔ اور عاد کی طرف ان کے بھائی ھودؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ تمہارا کوئی خدا اس کے سوا نہیں''۔ (ھود:۵۰)

آگے چل کر آیت نمبر۶۱ میں۔

''اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں۔ اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کرو''۔ (ھود:۸۴)

سورۃ الاعراف آیت نمبر۱۴۵ میں آتا ہے۔

''اور اس کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو ہر شعبہ ہائے زندگی کے متعلق نصیحت کی

اور ہر پہلو کے متعلق واضح ہدایت تختیوں پر لکھ کر دے دی اور اس سے کہا' ان ہدایات کو مضبوط ہاتھوں سے سنبھال لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ ان کے بہتر مفہوم کی پیروی (اور میری بندگی) کریں''۔

اب اس سارے تجزیے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ جب بھی کوئی پیغمبر یا رسول اپنی قوم کی طرف آیا تو اس نے آتے ہی یہی کہا کہ اے میری قوم اللہ کی بندگی اختیار کرو لیکن جب دین محمد ﷺ کا آغاز ہوتا ہے تو انداز بالکل بدل جاتا ہے۔ سب سے پہلی آیات جو جبریل امینؑ نے آپ ﷺ کے قلب اطہر پر نازل کیں وہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں:

سورۃ العلق میں فرمایا ''اقراء'' یعنی 'پڑھ' آپ ﷺ نے کہا میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ تین دفعہ اسی طرح کا مکالمہ ہوتا ہے آخر تیسری دفعہ ''پڑھ'' کہنے پر بھی آپ ﷺ نے یہی جواب دیا کہ میں تو پڑھنا نہیں جانتا تو جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے سینے مبارک کو اپنے سینے سے لگایا اور جب پھر کہا تو آپ ﷺ نے بھی ساتھ کہنا شروع کر دیا۔

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو علق' یعنی جمے ہوئے خون سے پیدا کیا''۔

یہی 'علق'' جس کو آج کی ترقی پذیر تحقیق بائیو جینٹکس (Bio Genitics) کا نام دیتی ہے۔ اس کو قرآن نے ۱۴ سو سال پہلے بتا دیا۔ قرآن کی پہلی آیت جس بات کا اشارہ یا آغاز کرتی ہے وہ تحصیل علم ہی تو ہے۔ عربوں میں اس سے پہلے عام طور پر قوت حافظہ پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ عربوں میں طویل قصائد اور ''علم الانساب'' اور اس کی تحصیل کو بڑی وقعت حاصل تھی چنانچہ کچھ لوگ یا خاندان خاص

طور پر بھی اسے پیشے کے طور پر اپناتے تھے اور انھیں بہت سے خاندانوں کے شجرہ ہائے نسب زبانی یاد ہوتے تھے۔ آگے فرمایا:

''پڑھو اس خالق رب کے نام سے جس نے تمہیں ﴿علق﴾ سے پیدا کیا۔ تمہارا کریم رب جس نے تمہیں قلم سے لکھنا سکھایا''۔

یعنی پڑھائی، علق اور قلم پہلی آیات۔ پھر ذرا پس منظر میں جاتے ہیں تو حضور ﷺ کی حدیث ذہن میں آتی ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں (احمد: ۲۸۔۳۷۹)۔ قرآن اس دعا کو سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۲۹ میں اس طرح پیش کرتا ہے۔

''اے رب! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیوں کو سنوارے''۔

رب العزت اس دعا کو قبول کرتے ہوئے جب محمد ﷺ کو مبعوث فرماتا ہے اور اس دعا کا جواب سورۃ آل عمران آیت نمبر (۱۶۴) میں دیتے ہوئے فرماتا ہے: ''درحقیقت اہلِ ایمان پر تو اللہ نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے۔ ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے''۔

یعنی آپ ﷺ جب مبعوث ہوئے تو پہلے تین سال خاص طور پر آپ ﷺ نے تعلیم و تربیت، تزکیۂ نفس، دانائی و حکمت اور شعور کو اجاگر کرنے پر زور دیا۔ اسی تعلیم و تربیت ہی کی بدولت ہم دیکھتے ہیں مسلمان جب تک علم کے میدان میں آگے رہے انہوں نے ہی دنیا پر حکمرانی کی۔ دسویں صدی عیسوی سے بارہویں صدی

عیسوی کا درمیانی عرصہ مسلمان سائنس دانوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ جب یورپ علم کے میدان میں آگے بڑھا تو پندرہویں صدی میں نشاۃِ ثانیہ کا زمانہ یورپ نے دیکھا۔ پھر جب یورپ علم، سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں پیچھے ہٹا تو امریکہ اور روس آگے بڑھے اور انہوں نے دنیا پہ حکمرانی کی۔ فرانس یورپ کا چھوٹا سا ملک ہے۔ اس کے جی ڈی پی کا دوگنا جی ڈی پی جرمنی کا ہے، اس کا ڈبل جاپان کا ہے اور اس سے ڈبل امریکہ کا ہے۔ مقام افسوس ہے کہ ۵۹ اسلامی ممالک کا جی ڈی پی ملا کر ایک فرانس سے کم ہے جبکہ خواب ہم دیکھ رہے ہیں دنیا پہ حکمرانی کا۔ مستقبل میں دنیا پہ حکمرانی تو وہی کریں گے جو علم کے میدان میں آگے ہیں یعنی امریکہ، جاپان اور جرمنی۔ جب افغانستان پر امریکہ نے حملہ کیا تو افغانوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امریکی نیچے آئیں گے تو پھر دیکھیں گے۔ انہیں نیچے اترنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی، انہوں نے ۵۲ بی طیاروں سے اتنی اونچائی سے کارپیٹڈ بمبنگ (Carpated Bombing) کی کہ سب کچھ تباہ کر کے رکھ دیا۔ غیر مسلموں نے قرآن سے رموز سیکھ کر دنیا پہ حکمرانی کرنی شروع کر دی جسے ہم نے بھلا دیا۔ حالانکہ اللہ نے ابتدائی آیات میں ہی علم وقلم کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے واضح کر دیا تھا کہ جو علم کے میدان میں آگے ہوگا، مستقبل اسی کا ہوگا اور اُسے ہی عزت وتوقیر ملے گی اور وہی دنیا پر حکمرانی کرے گا۔ پھر ایک اور جگہ اہل ایمان کے بارے میں حکم دیا کہ وہ دشمن کے مقابلے میں اپنے ہتھیار بند گھوڑے (موجودہ زمانے کے مطابق جدید لڑاکا طیارے، میزائل اور ایٹم بم وغیرہ) تیار رکھیں تاکہ اس سے اپنے اور اللہ کے دشمنوں پر ایک رعب طاری ہو۔ (سورۃ الانفال: ۶۰)

''اے نوجوان مسلم! کیا تو نے کبھی تدبر کیا ہے کہ علم سائنس وٹیکنالوجی کے

بغیر یہ ہتھیار بند گھوڑے کیسے تیار ہوں گے؟''

آج ہم میں سے اگر کبھی کسی کی اولاد جرمنی' برطانیہ یا امریکہ تعلیم حاصل کرنے چلی جائے تو کچھ عاقبت نا اندیش لوگ ان پر طرح طرح کے اعتراضات لگا کر انہیں برطانیہ یا امریکہ کا پٹھو ثابت کرنے کی کوشش کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ اگر ڈاکٹر قدیر خان اعلیٰ تعلیم اور جدید ریسرچ سے آشنا نہ ہوتے تو کیا پاکستان ایٹمی قوت بن کر ابھرتا؟

ہائر ایجوکیشن کے حوالے سے اگر واقعی ہمارے حکمران سنجیدہ ہیں تو ان شاء اللہ ایک دن ضرور پاکستان امتِ مسلمہ کے قائد کی حیثیت سے رہنمائی کے منصب پہ فائز ہوگا۔ بشرطیکہ ٹھیٹ قرآن وسنت اور جدید ترین ٹیکنولوجی کا حصولِ علم ہماری اولین سنجیدہ ترجیح ہو۔

ذرا تصور کریں اگر امریکہ ایک اسلامی ملک ہوتا تو کیا کسی ہندو بنیے یا یہودی کو جرأت ہوتی کہ وہ مسلمان کی غیرت کو للکارتا؟ دینِ اسلام اور جدید ٹیکنالوجی جب اکٹھی ہوں گی تو دنیا کو امن نصیب ہوگا کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب کسی ظالم کو اقتدار ملتا ہے تو وہ دنیا پہ ظلم کرتا ہے اور جب اقتدار ایسے لوگوں کے پاس ہو جن کو آخرت کی جواب دہی کا احساس ہو تو وہ عدل کرتے ہیں۔

......☆......☆......☆......☆......

برا نہ مان اسے آزما کے دیکھ ذرا

قرآن مجید میں جہاں بھی کہیں کسی قوم کے عروج وزوال کا ذکر آتا ہے وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ زیادہ تر قیادت کو ہی بناؤ یا بگاڑ کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ میرا مخاطب بالعموم ہر وہ شخص ہے جو خیر کی قوتوں سے منسلک ہے اور الیکشن کے ذریعے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلامی انقلاب کا حامی اور خواہش مند ہے لیکن بالخصوص میں دینی جماعتوں اور احیائے اسلام کی داعی تنظیموں کے کارکنوں اور ان کی قیادت کی توجہ ان سلگتے ہوئے مسائل کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جنہیں پڑھ کر، سن کر اور دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ انہیں مسائل کی نزاکت کا ادراک نہیں، احساس تو یقیناً ہو گا لیکن اپنی کم علمی کے باوجود ایک بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ مسئلہ ابھی تک ان کی ترجیحات میں اگر شامل بھی ہے تو بہر حال اولین توجہ کا مرکز نہیں ہے۔ اخبارات میں شاید ہی کوئی دن گزرتا ہو جب یہ خبر نہ چھپتی ہو کہ فلاں علاقے میں ایک ماں نے فاقوں سے تنگ آ کر غمِ زندگی سے نجات حاصل کر لی۔ یا پھر کسی خاندان کے سربراہ نے معاشی تنگ دستی کے سبب اپنے معصوم بچوں کو ذبح کر کے خود کشی کر لی یا انہیں بیچنے کے لیے سر بازار دکان سجا لی۔ زیادہ تر اپنے دکھوں، حسرتوں، ناکامیوں اور نا آسودگیوں کو زبان پہ لائے بغیر دل ہی دل میں شمع کی طرح گھلتے چلے جاتے ہیں۔

یہی بات ہے کہ میں دل کی بات تجھے آج تک نہیں کہہ سکا
تو ہے دردِ دل سے نا آشنا کہیں بات سن کے نہ ٹال دے

پے در پے واقعات کے بعد اب تو مجھ جیسا عام آدمی بھی ان حادثات سے بے خبر نہیں تو کیسے ممکن ہے کہ ہمارے ملک کی دینی اور سیاسی جماعتیں جن کے کارکنان ملک کے ہر گوشے میں موجود ہیں' اس سے بے خبر ہوں۔ میں یہ کیسے مان جاؤں کہ ان بے کس اور غربت و افلاس میں گھرے لوگوں کی دکھ بھری آواز اب بھی انہیں سنائی نہ دی ہو اور جسے سن کر' پڑھ کر کچھ عملی اقدام کرنے کیلئے بندہ تڑپ نہ اُٹھے۔

میں خود نہ تو کسی مذہبی و سیاسی جماعت کا رکن ہوں اور نہ ہی پر جوش داعی لیکن کچھ لوگوں کے اخلاص کو دیکھ کر اُن کی سلامتی اور بقا کیلئے میرے دل سے دعائیں ضرور نکلتی ہیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ امت مسلمہ کیلئے بالعموم اور پاکستانی قوم کیلئے بالخصوص حصولِ رضائے الٰہی کیلئے بے غرض محبت رکھنے والوں کی اب بھی ہمارے معاشرے میں کمی نہیں۔ اسی درد کا احساس لیے میں انہیں مخاطب کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ اگر چہ میری یہ جسارت سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے لیکن خدا کیلئے غرباء اور عام لوگوں سے پوچھیں کہ ان کے دکھ کیا ہیں؟ ان کے دردوں کا مداوا کرنے کیلئے کچھ عملی اقدامات کریں کیونکہ جب تک یہ لوگ نہیں اٹھیں گے تب تک آپ کبھی الیکشن کے ذریعے موجودہ نظام میں انقلاب نہیں لا سکیں گے۔ وہاں انقلاب کیسے آ سکتا ہے جہاں تعلیم کی کمی' معاشی مسائل کی بہتات اور جاگیردارانہ' سرمایہ دارانہ نظام اور برادری ازم کی جکڑ بندیاں ہوں۔ ایسے تاریک ماحول سے یہ لوگ بھلا اتنی آسانی سے کیسے چھٹکارا پا سکتے ہیں:

؎ بہت سے بن چکے ہیں سومنات اب توڑنے ہوں گے
تمہیں تاریخ اسلامی سے رشتے جوڑنے ہوں گے

حضرت عمرؓ کے بارے میں پڑھا ہے کہ آپؓ نے فرمایا:

''اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی کتا بھوک پیاس سے مر گیا تو میدانِ حشر میں' میں اپنے رب کو کیا جواب دوں گا''۔

ذرا دیر کے لیے غور کیجئے ...... آج کے دور میں جو انسان بھوک سے تنگ آ کر مر رہے ہیں' کیا ہم سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں ہوگا؟ کیا ہم بس اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم مسلمان ہیں؟ (العنکبوت:۲)۔ کیا ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں یونہی جنت میں داخلہ مل جائے گا؟ (البقرہ:۲۱۴ و آل عمران:۱۴۲)۔ سرزمین پاکستان میں شاید ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں دینی جماعتوں کا کوئی حلقہ موجود نہ ہو۔ جس علاقے میں ایسا حادثہ پیش آتا ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس علاقے کی دینی جماعتیں اور ان کا نظم اس کے ذمہ دار ہیں۔ کیا کبھی ان کا محاسبہ ہوا کہ تمہارے ہوتے ہوئے اتنا بڑا واقعہ کیسے اور کیوں رونما ہوا؟

اگر کسی دینی گروہ کو اپنے محلے' گاؤں اور علاقے کے غرباء' بھوکے اور نادار لوگوں کا علم نہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس گروہ کو پورے ملک اور پوری امت مسلمہ کی ذمہ داری سونپ دی جائے؟ خود کو تسلی دینے اور جان چھڑانے کیلئے کیا یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ہم نے ہر سطح پر کمیٹیاں بنائی ہوئی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''اوتیاں'' گاؤں ہو یا ''چک ۱۸ شمالی'' ''نہر لوئر جہلم'' ہو یا ''گلبرگ پھاٹک'' کیا ان کے آس پاس دینی جماعتوں کا کوئی حلقہ یا کوئی کمیٹی موجود نہیں تھی؟ اگر تھی تو کیا ان حادثات پر ان کا کوئی محاسبہ ہوا؟ جہاں ایک ماں اپنے بچوں سمیت ریل کے نیچے اور دوسری دریا میں کود گئی۔

ترکی جہاں سیکولر آئین اور اس کی محافظ آرمی کی حکومت ہے۔ دنیا نے

دیکھا کہ کئی بار کی پابندیوں کے باوجود عام آدمی کو بھی یہ محسوس ہوا کہ ہمارے مسائل کو سمجھنے والے یہی دینی لوگ ہیں اور انہیں کے پاس ہمارے دکھوں کا مداوا ہے۔ سیکولر آرمی لاکھ پابندیاں لگائے جو کہ اب تقریباً بے بس ہو چکی ہے اور بھلا کیسے نہ ہوتی کہ ان دینی لوگوں کی جڑیں عوام میں اس قدر مضبوط ہیں کہ وہ چاہے جس نام سے بھی آئیں، لوگ ان کے چہروں سے انہیں پہچان جاتے ہیں۔ اپنے اس محسن کے چہرے کو بھلا کون بھول سکتا ہے جس نے کم از کم تین دفعہ ان کے گھروں پر دستک دے کر ان کے زخموں پر مرہم رکھا ہو۔

جو انقلاب آپ الیکشن کے ذریعے لانا چاہتے ہیں اس کیلئے آگے بڑھیے۔ لوگوں کے ذاتی مسائل میں دلچسپی لیں۔ انہیں حل کرنے کیلئے اپنے تمام وسائل لگا دیں۔ اپنے وسائل کا بڑا حصہ جو لاکھوں کروڑوں روپوں کی صورت میں آپ جلسے جلوسوں، حکومت مخالف مظاہروں اور الیکشن پر لگاتے ہیں انہیں غربا و مساکین پر خرچ کیجئے۔ یقین جانیے اپنی پالیسی کو بار آور بنانے اور اپنی پسند کے نتائج حاصل کرنے کیلئے آپ کا جو وقت لگے گا اس کے نصف سے بھی کم عرصے میں لوگوں کے دل جیت کر آپ وہ اسلامی انقلاب لا سکتے ہیں جس کے ذریعے خیر کو شر پر فتح حاصل ہو جائے گی۔

ع   برا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اسے

......☆......☆......☆......☆......

لڑا دے ممولے کو شہباز سے

والدِ محترمؒ کی خواہش کے پیشِ نظر جب لڑکپن میں مجھے عربی اور فارسی پڑھتے وقت تھوڑا بہت سعدیؔ اور اقبالؔ کی شاعری سے تعارف ہوا تو ''بالِ جبریل'' کی نظم ''ساقی نامہ'' کے اس شعر نے مجھے اقبال سے بہت مایوس کیا۔

اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے

میں چونکہ گاؤں کا رہنے والا تھا اس لیے ممولے سے بڑی اچھی طرح آشنا تھا۔ میں ممولے کو بخوبی جانتا تھا اور وہ میرا دیکھا ہوا تھا۔ ممولا ہے کیا؟ ایک نہایت ہی چھوٹا اور کمزور سا پرندہ جو اکثر ٹیں ٹیں کرتا ہے اور زمین پر پاؤں کی ذراسی آہٹ پہ سہم جاتا ہے۔

بچپن میں اقبال کا یہ شعر جب میری نظر سے گزرا تو میں سوچنے لگا کہ یار اقبال بھی کتنا سادہ تھا۔ اس بے چارے کو ممولے کا پتا ہی نہیں تھا ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ممولے کو شہباز سے لڑانے کی بات کرتا۔ بھلا کہاں ایک کمزور اور بے بس ممولا اور کہاں قوی اور بلند پرواز شاہین۔

سچ پوچھیے تو تعجب سے زیادہ مجھے اقبال کی لاعلمی پر مدتوں رحم بھی آیا۔ پھر یہ خیال بھی آتا کہ بالفرض ان دونوں پرندوں کی لڑائی ہو بھی جائے تو ایک بات طے ہے کہ جیتے گا بہر حال شہباز ہی۔ ممولے کی بھلا کیا وقعت۔ دوستوں نے یہ کہاوت تو یقیناً سن رکھی ہوگی۔ ''کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا''

یہ تعجب ایک خوش گوار حیرت میں اس وقت تبدیل ہوا جب قرآن کے

مطالعہ کے دوران مجھ پہ یہ انکشاف ہوا کہ مولے اور شہباز کی لڑائی تو نہ صرف صدیوں سے جاری ہے بلکہ جیت ہمیشہ مولے برادری کی ہی ہوئی ہے۔

صاحبو! طاقت وقوت کی علامت اگر شہباز ٹھہرے اور دوسری طرف مولے کو کمزوری و بے بسی کا استعارہ سمجھا جائے تو قرآن اور انسانی تاریخ گواہ ہے کہ ہر صدی کا اپنا ہی ایک شہباز اور اپنا ہی ایک مولا ازل سے تھا اور ابد تک رہے گا۔

قرآن میں تو بے شمار ایسے واقعات ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ وقت کے سرکش شہباز چاہے وہ فرعون ونمرود ہوں یا ابرہہ اور اس کا لشکر' کمزور ابابیل اور ناتواں مچھر جیسے مولوں نے ایسی درگت بنائی کہ وہ نشانِ عبرت بن کر رہ گئے۔

تاریخ پہ نظر دوڑائیں تو پتا چلتا ہے کہ دنیا میں ہمیشہ ہی سے طاقت کا کوئی نہ کوئی بڑا شہباز ہر صدی میں نہ صرف موجود رہا ہے بلکہ اپنے مفاد کی خاطر یا دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے ہمہ وقت سرگرم عمل بھی رہا۔ اسے لہو گرم رکھنے کا بہانہ چاہیے۔ اس سے کسی کی دنیا ویران ہوتی ہے تو ہو۔ اسے بھلا اس سے کیا مطلب۔ باقی رہی مسلم دنیا تو اس وقت مولوں کی اچھی خاصی تعداد مسلم ممالک میں ہی پائی جاتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب ان میں سے ایک شہباز افغانستان میں کمزور اور بے بس مولوں سے ٹکرایا تو اس طرح پاش پاش ہوا کہ دنیا کے نقشے پہ اس کا وجود ہی سکڑ گیا۔

دوسرے شہباز کو ویت نام میں سبکی اٹھانے کے باوجود عقل نہ آئی تو قوت بازو آزمانے عراق وافغانستان پر چڑھ دوڑا۔ جہاں پھنس کر بری طرح ناکام ہو چکا ہے لیکن کیا کریں صاحب! آخر ناک بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ خربوزے

کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ غلط فہمی سے اپنے آپ کو شہباز سمجھنے والے کرگس اسرائیل نے جب لبنان اور پھر فلسطین میں ان مولوں سے لڑائی مول لی تو اس کی ایسی درگت بنی کہ شرم کے مارے دنیا سے منہ چھپاتا پھرا۔

آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ شہباز ۱۵۹ اسلامی ممالک کے حکمرانوں سے یا او۔آئی۔سی کی قراردادوں سے خوفزدہ ہیں۔ یقیناً آپ کہیں گے کہ جو یہ خیال کرتا ہے وہ احمقوں کی جنت میں رہتا ہے۔ ان شہبازوں کی نیندیں تو ان کمزور مولوں نے ہی اچک لیں جن کو ختم کرنے کے لیے ان میں سے ہر شہباز دنیا کے ہر گوشے میں اپنی قوت آزما رہا ہے اور جو کچھ بھی ان سے بن آئے کرتے ہیں اور مزید کرنے کو تیار ہیں چاہے انہیں کتنے ہی گھٹیا اور نیچ ذرائع استعمال کرنے پڑیں۔

لیکن اللہ کی اپنی سنت ہے۔ قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ کمزوروں اور مظلوموں کے ساتھ ہمیشہ اس کی مدد اور نصرت ہوتی ہے۔ شہباز کو پسپا ہونا اور مولے کو ہی آخر کامیاب ہونا ہے۔ چاہے مولوں کو فتح کی صورت میں کامیابی اس دنیا میں ملے یا شہادت سے ابدی زندگی میں' ہر دو صورتوں میں بہر حال مولوں ہی کو کامیابی کے جھنڈے گاڑنے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر کے وزیرِ اطلاعات نے ایک تھیوری پیش کی کہ ''جھوٹ بولو' اتنا بولو اور اتنی بار بولو کہ سچ لگنے لگے''۔ آج کے ان شہبازوں نے میڈیا کی طاقت سے اپنے جھوٹ کو اس انداز سے پیش کیا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی داد دینی پڑتی ہے۔ مقامِ افسوس ہے کہ غیر تو غیر اپنے بھی اس پروپیگنڈے سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اعلانیہ تو درکنار زبانی اخلاقی حمایت کرتے ہوئے بھی کانپتے ہیں بلکہ کچھ تو شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بن کر ان کے ہمنوا ہو گئے اور قرآن کا یہ پیغام

سرے سے ہی بھول گئے کہ دراصل اللہ تو یہ دیکھنا چاہتا ہے' کہ تم میں سے کون اپنی باتوں میں سچا ہے (العنکبوت: ۳) اور کون میرے مخلص بندوں میں سے ہے تا کہ طیب کو خبیث سے چھانٹ کرا لگ کر دیا جائے (آل عمران: ۱۴۱) وگرنہ کافروں سے بدلہ لینے کے لیے تو اللہ ہی کافی ہے۔ (انفال: ۳۷، الاحزاب: ۲۵)

روشن خیال بھائی یہاں تھوڑی دیر رک کر ذرا تصور کریں کہ اس وقت کیا جواب دو گے جب اللہ تم سے پوچھے گا کہ جب میری مساجد ویران ہو رہی تھیں۔ جب میرے نبی ﷺ کے خاکے بنا کر تمسخر کا نشانہ بنایا جا رہا تھا' جب کمزور و بے بس مظلوم عورتیں اور بچے مدد کے لیے فریاد کر رہے تھے' اس وقت تم نے کیا کیا؟

دوسری طرف میں اپنے مولے بھائیوں سے بھی کچھ عرض کرنا چاہوں گا وہ یہ کہ انہیں ہر حال میں چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کہ کہیں کوئی شہبازی جاسوس بھیس بدل کر کسی مولے کا ہی لبادہ اوڑھے ان کی صفوں میں داخل ہو کر انہیں بدنام کرنے کا سبب نہ بننے پائے۔

یاد رہے اپنی کوتاہیوں کا کڑا احتساب کرتے ہوئے ہر حال میں اللہ سے صبر و استحکام کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنے معاملات میں باہم مشاورت کے لیے ان اہل علم و دانش جن کی حقانیت اور خلوص کو دنیا تسلیم کرتی ہے، ضرور شامل رکھیے۔

دیکھنا کہیں سب سے بڑا دھوکے باز شیطان تمہیں بندوق اور طاقت کے زعم میں مبتلا نہ کرنے پائے۔ اگر کبھی ایسا خیال قریب سے بھی گزرے تو احد و حنین کو مت بھولئے جب چند صحابہؓ نے اپنی تعداد اور اسلحہ کی کثرت پر ناز کیا کہ آج کوئی ہمیں شکست نہیں دے سکتا تو نبی ﷺ کی موجودگی میں اس طرح گھیرے گئے کہ دنیا اپنی پوری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی۔ (التوبہ: ۲۵)

خاص طور پر اس وقت جب ساری دنیا تمہیں مٹانے کے در پے ہے۔

تمہیں ان ہی کے دیے دکھوں اور غموں کا علاج محبت و اخلاص اور حکمت سے کرنا ہے۔ آج کی بے سکون سائنسی دنیا کو اپنے کردار کی ٹیکنالوجی سے کچھ اس طرح مات دینی ہے کہ سکون کو اضطراب پر، یزداں کو اہرمن پر، نور کو ظلمت پر اور حیات کو موت پر فتح حاصل ہو جائے۔

......☆......☆......☆......☆......

باب دوئم

قَد اَفلَحَ مَنُ تَزَکّٰی

تزکیۂ نفس

انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا اپنا نفس ہے جو اس کے اندر گھسا بیٹھا ہے۔ یہی نفس اسے گناہ اور برائی کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر تم اپنے نفس کی خبر نہ لو گے تو وہ سرکش ہو کر قابو سے باہر ہو جائے گا اور پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ لیکن اگر تم اسے کنٹرول کرو گے تو ملامت کرنے والا نفس یعنی نفسِ لوامہ بن جائے گا بلکہ کیا عجب کہ رفتہ رفتہ نفس مطمئنہ بن جائے اور ان بندگان الٰہی میں شامل ہو جائے جس کے بارے میں کہا گیا:

''اے نفس مطمئنہ! چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اپنے انجام نیک سے خوش اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں''۔ (الفجر ۳۰-۲۷)

دیکھو' کسی بھی وقت اس کو نصیحت اور ملامت کرنے سے غافل نہ رہو بلکہ دوسروں کو تب نصیحت کرو جب اپنے نفس کو پہلے کر لو۔ تم ہمیشہ اس کو یوں کہتے رہا کرو اے نفس! ذرا سوچ تجھے اللہ کی نافرمانی کی جرأت کیوں کر ہوئی۔ اگر تیرا عقیدہ یہ ہے کہ وہ تجھے نہیں دیکھتا تو پھر تو یقیناً کافر ہے۔ اگر تیرا ایمان ہے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے اور پھر بھی تو اس کی نافرمانی کرتا ہے تو سخت بے حیا ہے۔ اگر تو سمجھتا ہے کہ اللہ کے عذاب کو برداشت کرلے گا تو یہ بات اپنے دل سے نکال دے۔ ذرا ایک گھڑی تیز دھوپ میں کھڑا رہ' اپنی انگلی آگ سے قریب کر کے دیکھ لے' تجھے اپنی طاقت اور برداشت معلوم ہو جائیگی۔

اے نفس! تیرے جھوٹے دعوے اور نفاق بڑے ہی عجیب ہیں۔ ذرا دیکھ تیرا آقا دنیا کے بارے میں فرماتا ہے:

''زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو (ھود:٦)۔اور دنیا اور آخرت کے لیے فرمایا ہے کہ انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنی اس نے کوشش کی''۔(النجم:٣٩)

یعنی تیرے دنیا کے رزق کی ذمہ داری تو اس نے اپنے اوپر لے لی۔اس کا مدار تیری سعی پر نہیں۔لیکن آخرت کو تیری کمائی پر منحصر کیا مگر تو اپنے فعل سے اللہ کو جھٹلاتا ہے۔ جس کی ذمہ داری اس نے لے لی ہے' اس پر تو پاگلوں کی طرح گرتا ہے اور جس آخرت کو اس نے تیری سعی پر منحصر کیا ہے' تو اس کی بالکل پرواہ نہیں کرتا۔یہ تو ایمان کی نشانی نہیں۔ اگر زبانی ایمان معتبر ہوتا تو منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں کیوں ہوتا؟

اے نفس! ذرا تصور کر اس مریض کے بارے میں جس کو ڈاکٹر کہے کہ صرف تین دن ٹھنڈا پانی مت پینا' تندرست ہو جاؤ تو پھر زندگی بھر ٹھنڈے پانی کا لطف اٹھاؤ۔اگر تم نے ان دنوں میں پیا تو زندگی بھر اس ٹھنڈے پانی سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔اس وقت سچ سچ بتا عقل کا تقاضا کیا ہے؟ کیا وہ تین دن صبر کر کے باقی زندگی آرام سے گزارنا چاہے گا یا اپنی خواہش پوری کرے گا کہ مجھ سے تین دن صبر نہیں ہوسکتا؟ جو شخص دنیا میں ایک معمولی تکلیف برداشت نہیں کرسکتا وہ آخرت میں عذاب الٰہی کو کیسے برداشت کرے گا؟ اب اے نفس! تو خود انصاف کر کہ ایک ڈاکٹر کے کہنے پر جی کڑا کر کے ایک لذیذ کھانا چھوڑ دیتا ہے اور صبر کرتا ہے۔کیا انبیاء کا کہنا اور کتاب الٰہی میں اللہ کا فرمان تیرے لیے اتنا بھی وزن نہیں رکھتا جتنا ایک ڈاکٹر کا قول؟ اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ اگر ایک بچہ تجھے کہہ دے کہ تیرے کپڑوں پر بچھو ہے تو بغیر سوچے سمجھے اپنے کپڑے اتار دے گا۔کیا انبیاءؑ کی متفقہ بات جن کو معجزات کی تائید حاصل ہوتی ہے' تیرے نزدیک اس

نادان بچے کی بات سے بھی کم وقعت رکھتی ہے؟

ذرا سوچ تو سہی تو کب سے روز وعدہ کرتا ہے کہ کل سے یہ کام کروں گا۔ کل، کل کرتے آج ہوتا چلا گیا۔ جو کام آج نہیں کر سکا تو کل کیسے کرے گا؟ جو کام تو آج نہیں کر سکا اس کا کرنا کل تیرے لیے اور بھی مشکل ہے۔ اور تو اگر آج عاجز ہے تو کل بھی عاجز ہوگا۔ کیا تو اس دن کا منتظر ہے جب خواہشات کی مخالفت تیرے لیے آسان ہوگی۔ ایسا دن تو اللہ نے پیدا ہی نہیں کیا اور نہ پیدا کرے گا۔ جنت ہمیشہ ناگوار کام کرنے سے ہی ملتی ہے اور ناگوار کام نفس کیلئے آسان نہیں ہوتا۔ تو نہیں جانتا کہ راستہ سفر کئے بغیر طے نہیں ہوتا اور کام کئے بغیر انجام نہیں پاتا۔

پس اے نفس! خواہشات کی مثال ایک تناور درخت کی سی ہے جس کو اکھاڑے بغیر چارا نہیں۔ اگر سستی کے باعث اسے آج نہ اکھاڑا اور کل پر رکھا تو اس کی مثال اس جوان کی سی ہے جس سے ایک درخت نہیں اکھاڑا گیا تو اس نے اس کام کو دوسرے سال کیلئے ملتوی کر دیا۔ حالانکہ جتنا زمانہ گزرے گا درخت کی جڑیں مضبوط ہوتی جائیں گی اور روز بروز اکھاڑنے والے کی کمزوری اور ضعف میں اضافہ ہوتا چلے جائیگا۔ جس کو جوانی میں نہ اکھاڑ سکا اس کو بڑھاپے میں کیا اکھاڑے گا۔ سرسبز شاخ لچک رکھتی ہے اور جھکائی جا سکتی ہے۔ جب سوکھ جائے گی تو موڑنا یا توڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اے نفس! میں دیکھتا ہوں کہ تو اپنے آپ کو ڈھیل اس وجہ سے دیتا ہے کہ یوم حساب پر تیرا ایمان کمزور ہے یا اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم پر تیرا غلط اعتماد ہے۔ حالانکہ تو روٹی کے ایک ٹکڑے کے لیے اللہ پر بھروسہ کرنے کیلئے تیار نہیں بلکہ جتنی کوشش ہو سکتی ہے تو کرتا ہے۔ پھر تو اس ضابطہ میں کیوں پڑ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا کریم اور

غفور ورحیم ہے اسے کسی کی اطاعت کی حاجت نہیں۔ وہ مجھے ویسے ہی بخش دے گا۔ اگر ایسی بات ہے تو دنیا کے کاموں کو اس کے کرم پر کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ جب کوئی دنیاوی کام روپے پیسے کے بغیر نہیں ہوتا تو اس وقت تیرا دم کیوں نکلتا ہے اور کیوں اسے حاصل کرنے کیلئے ہزار بھاگ دوڑ کرتا ہے؟ اس وقت کرم الٰہی پر تیرا اعتماد کہاں چلا جاتا ہے جب کوئی دشمن تیرے درپے ہوتا ہے تو کیوں اس سے بچنے کیلئے تدبیر کرتا ہے؟ تب کیوں نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے مجھے بچالے گا؟

اے نفس! جب ان حالات میں ان میں سے کسی چیز میں تو اللہ کے کرم پر تکیہ نہیں کرتا اور نہ تو یہ سمجھتا کہ محض اپنے فضل سے تجھے کپڑوں اور آگ کے بغیر سردی سے بچالے گا حالانکہ وہ اس پر قادر ہے۔ اگر تجھ کو یہ سب چیزیں معلوم ہیں اور ان پر تیرا ایمان ہے تو کیا بات ہے کہ عمل میں سستی اور ٹال مٹول سے کام لیتا ہے۔ موت تو منتظر ہے اور وہ بغیر مہلت کے تجھے اچک لے جائے گی۔ موت نزدیک آگئی ہے' جو کرنا ہے اب کرلے۔ تیرے بعد نہ کوئی تیری طرف سے نماز پڑھے گا۔ نہ روزہ رکھے گا' نہ تجھ سے اللہ کو راضی کرے گا۔ زندگی کے یہ چند روز ہی تیرا سرمایہ ہیں۔ ان سے تجارت کرلے اگرچہ اکثر سرمایہ تو ضائع کر چکا ہے۔ اگر تمام عمر اس بربادی پر روئے تب بھی کم ہے۔ مُردوں کا لشکر گھر کے باہر تیرا منتظر ہے۔ انہوں نے پکی قسم کھا رکھی ہے کہ تجھے ساتھ لیے بغیر نہیں جائیں گے۔

اے نفس! لذت کی خاطر گناہ مت کر۔ لذت ختم ہوجائے گی' گناہ! باقی رہ جائے گا اور مشقت کی خاطر نیکی مت چھوڑ۔ مشقت ختم ہوجائے گی نیکی باقی رہ جائے گی۔ (احیاء العلوم الدین)

......☆......☆......☆......☆......

سکونِ قلب

۱۔ میں نے تمام دنیا پر نظر ڈالی۔ ہر شخص کسی نہ کسی سے محبت کرتا ہے مگر اس محبوب چیز کو اسی دنیا میں چھوڑ کر اکیلا قبر میں چلا جاتا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں نیکیوں اور اچھے کاموں سے محبت کروں تاکہ وہ قبر میں بھی میرے ساتھ جائیں اور مجھے اکیلا نہ چھوڑیں۔

۲۔ میں نے قرآن کی یہ آیت پڑھی کہ جو شخص اپنے رب سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے روکا' بے شک جنت اس کا ٹھکانہ ہے (النازعات: ۴۱۔۴۰)۔

اس لیے میں نے اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پالیا۔

۳۔ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے پاس کوئی قیمتی چیز ہو تو وہ اس کی خوب حفاظت کرتے ہیں۔ پھر میں نے یہ آیت پڑھی کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو خدا کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے (النحل: ۹۶)۔ چنانچہ میں اپنی ہر قیمتی چیز کو خدا کے حوالے کر دیتا ہوں تاکہ وہ میرے لیے باقی رہے اور میرے کام آئے۔

۴۔ دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی بات پر نازاں ہے۔ کوئی مال و دولت پر' کوئی حسب نسب پر اور کوئی کسی عہدہ و منصب پر۔ پھر میں نے جب یہ آیت پڑھی کہ تم میں سے سب سے زیادہ پرہیز گار ہی اللہ کے نزدیک بڑا اور اشرف ہے (الحجرات: ۱۳)۔ میں نے اس آیت پر غور کیا تو مجھے باقی سب حقیر نظر آیا اور میں نے صرف پرہیز گار بننے کی کوشش کی تاکہ بڑا اور شرف والا بن جاؤں۔

۵۔ میں نے اہل دنیا کو دیکھا کہ ایک دوسرے کو لعن طعن کرتے ہیں۔ لوگ آپس میں برسر پیکار رہتے اور لڑتے جھگڑتے ہیں۔ میری رائے میں ان تمام تنازعوں کی بنیاد حسد ہے۔ میں نے یہ آیت پڑھی کہ دنیاوی زندگی میں روزی ہم تقسیم کرتے ہیں (الزخرف: ۳۲)۔ میں نے اس آیت پر غور کیا کہ جب ہر ایک کی قسمت خدا نے بنا

دی ہے تو پھر کسی سے حسد کس بات کا۔ چنانچہ میں نے حسد کو دل سے نکال دیا اور اللہ کی جانب سے جو کچھ کسی کو مل رہا ہے اس پر راضی ہو گیا اور یوں میرے دل کو سکون آ گیا۔

۶ میں نے دنیا میں دیکھا کہ ہر کوئی دوسرے کا دشمن بنا پھرتا ہے مرنے مارنے کو دوڑتا ہے اور دنگا فساد کرتا ہے۔ پھر میں نے قرآن کی آیت پڑھی کہ یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم اس کو اپنا دشمن سمجھو (فاطر:٦)۔ اس کے بعد میں نے صرف شیطان کو ہی اپنا اصل دشمن سمجھ لیا اور انسانوں سے لڑنا بند کر دیا۔ اب شیطان ہی سے مجھے عداوت ہے اور میں اسی سے اپنے بچاؤ کا پورا بندوبست رکھتا ہوں۔ اب اور کسی سے میری کوئی عداوت نہیں ہے اور میں اب امن سے ہوں۔

۷ لوگ روٹی کے ایک ٹکڑے کیلئے مارے مارے پھرتے ہیں۔ اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرتے ہیں۔ اس کے لیے ایسے ایسے ذریعے اختیار کرتے ہیں جو سخت نامناسب ہیں۔ مجھے یہ سب دیکھ کر قرآن کی آیت یاد آتی ہے کہ ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمہ ہے (ھود:٦)۔ میں نے سوچا کہ میں بھی تو ایک جاندار ہوں جس کی روزی کا ذمہ اللہ نے لے لیا ہے۔ چنانچہ میں اب اپنی ذمہ داریاں دیانت کے ساتھ ادا کرتا ہوں اور روزی کے معاملے کو اللہ پہ چھوڑتا ہوں۔

۸ میں نے یہ دیکھا کہ ہر شخص کسی نہ کسی ایسی چیز پر توکل کیے بیٹھا ہے جو اس کی نہیں اللہ کی مخلوق ہے۔ کسی کو جائیداد پر، کسی کو تجارت پر، کسی کو اپنے ہنر پر فخر یا غرور ہے اور کوئی اپنی صحت و تندرستی پر نازاں۔ غرض ایک مخلوق دوسری مخلوق پر تکیہ کیے بیٹھی ہے۔ مگر جب میں نے یہ آیت پڑھی کہ جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے، خدا اس کے لیے کافی ہے (الطلاق:٣)۔ تو اب میں نے مخلوق کی جگہ خدا پر بھروسہ اور توکل کر لیا ہے۔

(احیاء العلوم الدین)

☆ ☆ ☆ ☆

اے طائرِ لاہوتی

مسلمان صوفیاء کرام کے ہاں موت کے بعد کم از کم چار طبقات کا تصور پایا جاتا ہے۔

۱-عالمِ ناسوت

جو زمین کے بالکل قریب ہے اور گنہگار روحیں یہیں بھٹکتی اور گلتی سڑتی رہتی ہیں۔ ان صوفیوں کے ہاں اگر مرنے والا بدکار ہو تو زمین کے آس پاس ہی اس کی روح بھٹکتی رہتی ہے۔ وہ اپنی وراثت دوسروں کے پاس دیکھ کر کڑھتا رہتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کی ترقی اور زندگی پر دانت پیتا ہے۔ ذہنی اضطراب کی اس آگ میں صدیوں جلنے کے بعد اسے طبقۂ بالا میں جانے کی اجازت ملتی ہے۔ ان صوفیوں کے نزدیک یہی جہنم ہے۔

۲-عالمِ جبروت

یہاں درمیانے درجے کے لوگوں کی روحیں رہتی ہیں، جو نہ بدکار ہوتے ہیں اور نہ بہت نیکوکار۔ یہ اس وقت تک یہاں رہتے ہیں جب تک ان کے جسمِ لطیف کے وہ زخم جو گناہ کا نتیجہ تھے بالکل صاف نہ ہو جائیں۔ ان کے نزدیک شاید یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن میں اصحاب اعراف کہا گیا ہے۔ اعراف جہنم اور جنت کے درمیان ایک اونچا مقام ہے گویا یہ جنت اور دوزخ سے باہر لیکن جنت میں جانے کی امید رکھنے والے لوگ ہوں گے جنہیں آخرکار اللہ اپنے رحم سے جنت میں داخل کر دے گا۔ ان کا ذکر سورۃ الاعراف آیت ۴۷-۴۶ میں کیا گیا ہے۔ ان طبقات کا ذکر سورۃ الواقعہ کی آیت نمبر ۷ تا ۱۰ میں بھی ہے۔

۳۔عالمِ ملکوت

یہ انبیاء وصالحین کا مقام ہے۔

۴۔عالم لاہوت

یہ سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے وہ مقام ہے جہاں اللہ کا تخت بچھا ہے۔

میری چونکہ کلامِ اقبال سے شناسائی بچپن میں ہی ہو گئی تھی لہٰذا سب سے پہلے ''بانگ درا'' اور پھر ''بال جبریل'' زیر مطالعہ رہیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ سچ پوچھئے تو مجھے مندرجہ بالا تمہید کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ مجھے اقبال کا یہ شعر سمجھنے میں بڑا وقت لگا۔ خاص طور پر مجھے طائر لاہوتی نے کافی پریشان رکھا۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ یہ ''لاہوتی'' کیا چیز ہے؟

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اے انسان! ذرا غور تو کر کہ تیرے ربّ کریم نے تجھے کیا مقام و مرتبہ عطا کیا۔تو تو مقامِ لاہوت کا پرندہ ہے۔وہ مقام جہاں اللہ کا عرش ہے یعنی سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے وہ مقام جہاں جاتے ہوئے جبریل امینؑ جیسے فرشتے کو بھی پرواز کا یارا نہیں۔ اللہ نے تجھے وہ عزت بخشی کہ تیرا مقام ملائکہ سے اوپر کر دیا۔ خیال رکھنا ایسے رزق سے بچ کر رہنا جو تجھ سے تیری پرواز چھین لے۔جس رزق سے تیری پرواز میں کوتاہی آئے' جو تجھ سے تیری اڑان چھین لے اس پہ لعنت بھیج! کیونکہ تو کوئی عام پرندہ نہیں۔تُو تو مقامِ لاہوت کا طائر ہے۔تیری منزل تیرا ربّ کریم اور اُس سے ملاقات ہے۔ دو چار دن چوپڑی روٹی کھا لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ ایمان کا سودا کر کے' کسی کا حق مار کر ایسا رزق اکٹھا کرنا جو تیرے رب کریم سے ملنے

کی راہ میں رکاوٹ بنے' اسے کبھی مت سمیٹنا۔ کیونکہ تیری اصل موت رزقِ حرام ہے۔ ایسے رزق سے موت کو گلے لگانا بہتر ہے جس سے تو اپنے مقام سے گر جائے اور کبھی بھی اپنے ربّ کریم کا دیدار نہ کر سکے۔ طائرِ طمع نہ بننا کیونکہ طائرِ طمع کی نظر 'دانے' پر ہوتی ہے جبکہ چشمِ ہوش 'جال' کو دیکھتی ہے۔ برا ہو ہوئی کا جس سے دِکھنا ہی بند ہو جاتا ہے۔ یہ جان بوجھ کر اندھی ہوتی ہے۔ ریجھ جائے تو ہرا ہی ہرا دیکھتی ہے۔ بگڑ جائے تو ہر خوب اس کو بد نظر آتا ہے! پھر مان کر نہیں دیتی سب سے برا اس کی نظر میں وہ ہے جو اس اندھے پن کا نقصان بتائے۔ خیال رکھنا اس شکاری کے جال میں پھنس کر اپنی منزل نہ گنوا بیٹھنا۔

......☆......☆......☆......☆......

سیرت اور قسمت

سورۃ الزمر آیت نمبر۴۲ میں خالق کریم نے یوں فرمایا:

''اللہ وہ ہے جو دو طرح سے رُوحوں کو قبض کرتا ہے۔ایک موت کے وقت اور دوسرا نیند میں۔ پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ کرتا ہے اسے اپنے ہاں روک لیتا ہے لیکن باقی ارواح کو ایک وقت مقرر کیلئے ان کے اجسام میں واپس بھیج دیتا ہے۔اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں''۔(الزمر:۴۲)

اس رُوح کو اہل دنیا جسم لطیف یا ''آسٹرل باڈی'' کہتے ہیں۔ یہ مستقل اور غیر فانی ہے اور جسم خاکی اس کی عارضی قیام گاہ ہے۔

مسز گاسکل اپنی کتاب ''What is Life'' میں لکھتی ہیں:

''جسم میں بیک وقت دو نظام کارفرما ہیں' ایک جسمانی اور دوسرا اثیری' اثیری جسم مادی جسم کے ذرات میں رہتا ہے اور بعد از مرگ الگ ہو جاتا ہے۔اصلی اور حقیقی جسم اثیر ہے اور مادی جسم محض ایک سرائے ہے جس میں جسمِ لطیف کا قیام عارضی ہے۔ یہ حقیقت اب تسلیم کی جا چکی ہے کہ جسم خاکی فانی ہے اور جسم لطیف غیر فانی ہے۔ جب ہم سو جاتے ہیں تو جسم لطیف' خاکی جسم سے نکل کر اِدھر اُدھر گھومنے چلا جاتا ہے اور نیند کے بعد جسم لطیف جسم خاکی میں واپس آ جاتا ہے''۔

جس کا ذکر خالقِ کریم نے سورۃ الزمر میں کیا ہے۔ان دونوں اجسام کی صحت مند زندگی کا انحصار ان کی صاف ستھری غذا میں ہے۔جسم خاکی کو غذا منہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے جبکہ جسم لطیف کا معدہ دماغ ہے۔ اگر کسی انسان کو یہ سمجھ آ جائے کہ اس نے منہ اور دماغ میں کیا ڈالنا ہے تو اس کے سارے مسائل حل ہو

جائیں۔ جسم خاکی کو متعدی امراض سے بچانے کے لیے کھانے میں صاف ستھری اجناس کا اعتدال سے استعمال جتنا ضروری ہے اس سے کہیں زیادہ ضروری روحانی غذا اور اس کے ذرائع پر نظر رکھنا ہے کیونکہ پہلے جسمِ لطیف بیمار ہوتا ہے جس کے اثرات جسمِ خاکی پر پڑتے ہیں۔ منہ کے ذریعے پیٹ کے معدے میں جانے والی ناقص غذا جن جسمانی بیماریوں کو جنم دیتی ہیں بالکل اسی طرح دماغ کے معدے میں جانے والی غلط چیز اخلاقی اور روحانی بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ اگر دونوں اجسام کو ناقص، غیر معیاری اور غلط خوراک دی جارہی ہو تو معاشرے میں جسمانی، اخلاقی اور روحانی بیماریوں کا دور دورہ ہوگا۔ جسم خاکی کی غذا کو انسان ہی کیا حیوان بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ کون سی چیز کھانی چاہئے اور کون سی نہیں۔ ہم جسمِ لطیف کی غذا اور اس کے ذرائع اور نقصان دہ غذا سے بچاؤ کی تدابیر اختصار کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

انسان سب سے پہلے حواسِ خمسہ سے سیکھنا شروع کرتا ہے۔ جسمِ لطیف کی غذا بھی حواسِ خمسہ کے ذریعے دماغ میں پہنچتی ہے۔ حواسِ خمسہ میں بھی سب سے زیادہ اور مؤثر غذا جسمِ لطیف کو آنکھ کے ذریعے ملتی ہے۔ اس لیے قرآن وحدیث میں اس کی حفاظت پر زور دیا۔

قرآن کی روشنی میں:

سورۃ النور آیت نمبر ۳۰ میں خالقِ کریم نے مدنی سرکار ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے میرے محبوب ﷺ! مومن مردوں سے فرما دیجئے کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں''۔

آیت نمبر ۳۱ میں اسی طرح کے الفاظ کے ساتھ عورتوں کو بھی ہدایت کی گئی ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ نہیں کہ کسی بھی چیز کو نگاہ بھر کر نہ دیکھا جائے بلکہ وہ صرف ایک مخصوص دائرے میں نگاہ پر پابندی عائد کرنا چاہتا ہے۔ یہاں سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ پابندی جس چیز پر عائد کی گئی ہے وہ ہے مردوں کا عورتوں اور عورتوں کا مردوں سے ستر یا جن اعضا کو چھپانے کا حکم ہے ان پر نگاہ جمانا۔ یہاں ذہن کی یہ خلش بھی دور کرنی چاہیے کہ مرد اور عورت جو کہ ایک فطری ملاپ ہے اس پر اگر اتنی پابندی ہے تو غیر فطری یعنی مرد کا مرد اور عورت کا عورت کے اعضاء کو مناظر سمجھ کر لطف اندوز ہونا' اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

احادیث:

عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نگاہ ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو شخص مجھ سے ڈر کر اس کو چھوڑ دے گا میں اس کے بدلے میں اس کو ایسا ایمان دوں گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں پائے گا۔'' (طبرانی: ۱۰۔۱۷۳)

ابوامامہ مسند احمد کی روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا:

''جس مسلمان کی نگاہ کسی عورت کے حسن پر پڑے اور وہ نگاہ ہٹا لے تو اللہ اس کی عبادت میں لطف اور لذت پیدا کر دیتا ہے''۔ (طبرانی: ۸۔۲۰۸)

حدیث شریف میں آتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک دفعہ اچانک نظر پڑ جائے تو معاف لیکن یہ معاف نہیں کہ آدمی پہلی نظر میں جہاں کشش محسوس کرے وہاں پھر نظر دوڑائے۔ (مسند البزار: ۱۰۔۹۲)

نبی کریم ﷺ نے اس طرح کی دید بازی کو آنکھ کی بدکاری سے تعبیر فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنے تمام حواس سے زنا کرتا ہے۔ دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے۔ لگاوٹ کی بات چیت زبان کا زنا ہے۔ ہاتھ لگانا اور ناجائز مقصد کے لیے چلنا ہاتھ پاؤں کا زنا ہے (احمد:۲۔۳۲۹)۔ کیونکہ بدکاری کی یہ ساری تمہیدیں جب پوری ہوچکی ہوتی ہیں تب شرمگاہیں اس کی تکمیل کر دیتی ہیں یا تکمیل کرنے سے رہ جاتی ہیں۔

''کتاب الجہاد'' میں ایک واقعہ مذکور ہے۔ ایک خاتون اُم خلادؓ کا بیٹا ایک جنگ میں شہید ہوگیا وہ اس کے متعلق دریافت کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں مگر اس حال میں کہ چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔ بعض صحابہ کرامؓ نے حیرت سے کہا کہ اس وقت بھی تمہارے چہرے پر نقاب ہے یعنی بیٹے کے مرنے کی خبر سن کر تو ایک ماں کو تن بدن کا ہوش ہی نہیں رہتا اور تم اطمینان کے ساتھ باپردہ آئی ہو۔ جواب میں وہ فرمانے لگیں:

''میں نے بیٹا ضرور کھویا ہے مگر اپنی حیا تو نہیں کھو دی''۔
(سنن اُبی داؤد:۲۔۳۱۴)

عام مشاہدے میں بھی آیا ہے کہ روزمرہ کے معاملاتِ زندگی میں آپ کا واسطہ جن لوگوں کے ساتھ پڑتا ہے یا جن چیزوں کو آپ دن بھر کے معاملات میں دیکھتے ہیں انہیں سے ملتے جلتے خواب، خواہشات اور اثرات آپ کے جسم پر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر جو اثرات اس نے قبول کئے ہوتے ہیں وہی عملی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً جو نوجوان فحش فلمیں یا انٹرنیٹ کے ذریعے فحاشی وعریانی دیکھے گا لامحالہ جب وہ آنکھیں بند کرے گا تو اسے ویسے ہی خواب آئیں

گے۔ ویسا ہی فلمی اداکار بننے کی خواہش اس کے دل میں ہوگی۔ فحاشی وعریانی کے نشے میں غرق ہوکر وہ اپنے آپ کو تباہ وبرباد کرلے گا۔

افراد تو کیا ہمارے سامنے بے شمار ایسی قوموں کی مثالیں ہیں جو اپنے زمانے کی سپر پاورز تھیں لیکن جب وہ لہو ولعب میں غرق ہوگئیں تو زوال پذیر ہوگئیں۔ غیر مسلموں کو تو ایک طرف رکھیں خود مسلمان حکومتوں کے زوال کا بڑا سبب بھی لغویات اور فحاشی ہے۔ جو افراد یا قومیں فحاشی وعریانی کے نشے میں غرق ہوتی ہیں، سب سے پہلے ان کی غیرت وحمیت سلب کرلی جاتی ہے۔ اعلیٰ اخلاق اور جرأت مندانہ اقدار جو کہ غیرت کی مرہون منت ہوتی ہیں، ان کے ختم ہونے پر کوئی بھی عزیمت کے راستے پر چل ہی نہیں سکتا۔ ذلت وپسپائی کے ساتھ محکومی ایسے لوگوں کا مقدر بن جاتی ہے۔ افیون اور ہیروئن کے نشے کی نسبت فحاشی اور عریانی کا نشہ زیادہ تباہ کن ہے۔ موجودہ دور میں چین کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جب نشئی قوم کو مخلص قیادت ملی تو وہ دنیا کی سپر پاور بن گئی۔

مغل حکمران جب عیاشانہ عادات واطوار کا شکار ہوئے تو روہیلہ نے شکست دینے کے بعد ان کی غیرت کو للکارا اور شہزادیوں کو ناچنے کا حکم دیا۔ ایک خنجر سرہانے رکھ کر خود مسند پر ٹیک لگا کر لیٹ گیا اور یوں ظاہر کیا جیسے سوگیا ہے۔ شہزادیاں ناچ رہی تھیں اور ساتھ ساتھ رو بھی رہی تھیں۔ اس موقع پر روہیلہ ان سے مخاطب ہوا۔ اس واقعہ کو علامہ اقبالؒ نے اپنی کتاب ''بانگ درا'' میں ایک نظم ''غلام قادر روہیلہ'' کے عنوان سے بیان کیا ہے:

لرزتے تھے دل نازک، قدم مجبور جنبش تھے
رواں دریائے خون شہزادیوں کے دیدۂ تر سے

رکھا خنجر کو آگے اور پھر کچھ سوچ کر لیٹا
تقاضا کر رہی تھی نیند گویا چشم احمر سے
بجھائے خواب کے پانی نے اُخگر اس کی آنکھوں کے
نظر شرما گئی ظالم کی درد انگیز منظر سے
پھر اٹھا اور تیموری حرم سے یوں لگا کہنے
شکایت چاہیے تم کو نہ کچھ اپنے مقدر سے
میرا مسند پہ سو جانا بناوٹ تھی، تکلف تھا
کہ غفلت دور ہے شانِ صف آرایانِ لشکر سے
یہ مقصد تھا مرا اس سے کوئی تیمور کی بیٹی
مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے
مگر یہ راز کھل گیا آخر سارے زمانے پر
حمیت نام ہے جس کا، گئی تیمور کے گھر سے

جسمِ لطیف کی کمزوری دراصل حمیت وغیرت کی موت ہے۔ ذہن میں صحیح چیز اس وقت جائے گی جب ہماری آنکھ کوئی فحش مناظر نہ دیکھے گی۔ جو آنکھ قرآن پاک کا مطالعہ کرتی ہو۔ صحابہ کرامؓ اور مجاہدین کے کارنامے پڑھتی ہو جب وہ آنکھ بند ہوگی تو لامحالہ وہ خدا کے دین کی سربلندی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے خواب دیکھے گی اور اپنا تن من دھن تک نچھاور کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرے گی۔

خاص طور پر میں اپنے محترم اساتذہ کرام سے یہ گزارش کرتا ہوں کہ بے حیائی اور فحاشی کے اس دور میں کسی طرح اپنے بچوں اور طلبہ کو یہ باور کرائیں کہ اپنا دیکھنا اور سوچنا ٹھیک کر لو۔ کیونکہ جیسا دیکھو گے ویسے سوچو گے جیسا سوچو گے ویسا

عمل کرو گے۔ جیسا عمل کرو گے ویسی عادت بنے گی۔ جیسی عادت رکھو گے ویسی سیرت بنے گی اور جیسی سیرت ہوگی ویسی قسمت پاؤ گے۔ یعنی قسمت کا تعلق دیکھنے کے ساتھ ہے۔ وہ غذا جو اپنی آنکھوں کے ذریعے دماغ کے معدے میں جسمِ لطیف کی غذا کے طور پر ڈالی جاتی ہے وہ اگر اچھی ہوگی تو خوش قسمتی تمہارا مقدر ہوگی۔ دنیا کی امامت کرنا چاہتے ہو تو اپنا دیکھنا ٹھیک کرلو۔

بعض امراض جسم لطیف کی کمزوری' بے غیرتی اور بدکاری کا نتیجہ ہوتے ہیں جن سے چھٹکارا صرف اسی صورت ممکن ہے کہ گناہ چھوڑ دیں۔ کیونکہ گناہ اللہ سے بغاوت ہے اور ایک باغی جب تک وہ باغی ہے اسے اللہ سے رحم کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ گناہ چھوڑنے کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ قرآن وحدیث کے ساتھ رشتہ جوڑیں جو سراسر حق اور پاکیزگی کی دعوت ہے کیونکہ جس فرد نے بھی خدا سے تعلق استوار کیا' وہ فرد مضبوط ہوا اور جس قوم نے رب سے تعلق جوڑا وہ سرخرو ہوئی۔ قرآن وحدیث ہی سے جسم لطیف اور جسم خاکی مضبوط ہوسکتا ہے اور ایک تندرست وتوانا جسم سے ہی امن وسکون کے گلزار مہک سکتے ہیں۔

......☆......☆......☆......☆......

وعدے اور معاہدے

حکمرانوں کا غریب عوام کو وعدوں کے سرابوں سے بہلانے کا سلسلہ روز اول سے جاری ہے۔ چاہے یہ وفا ہوں یا نہ ہوں۔ یہ بات بھی درست ہے کہ معاہدے قرآن و حدیث نہیں ہوتے لیکن قرآن و حدیث نے ہی وعدوں اور معاہدوں پر عمل کا حکم دے کر ان کو تحفظ فراہم کیا ہے۔ سیاست کا تعلق وعدوں کے ساتھ ہے تو وعدوں اور معاہدوں کا تعلق دین کے ساتھ ہوتا ہے۔ یوں سیاست اور دین کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

عہد اور معاہدوں کی دین میں اہمیت کو جاننے کے لیے آیئے قرآن و حدیث سے رجوع کرتے ہیں۔

قرآن وحدیث کی رو سے عہد کی تین قسمیں ہیں۔ایک فطری عہد جس میں پیدائشی طور پر انسان خدا کا بندہ اور پروردہ ہونے کی حیثیت سے بندھا ہوا ہے۔ دوسرا اجتماعی عہد جس میں ہر فردِ بشر انسانی برادری کا ایک رکن ہونے کی حیثیت سے بندھا ہے اور تیسرا ذاتی عہد جو آدمی اپنی پریشانیوں کے لمحوں میں یا کسی جذبۂ خیر کے موقع پر خدا سے یا انسانوں سے خود باندھتا ہے۔ ان تینوں عہدوں کو یا ان میں سے کسی کو توڑنے والا فاسق کہلاتا ہے۔ قرآن میں جہاں عہد شکن کا ذکر آیا اسے فاسق ہی کہا گیا مثلاً:

''اللہ گمراہی میں انہی کو مبتلا کرتا ہے جو فاسق ہیں۔ اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑتے ہیں۔ اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں

اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں''۔(سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۷۔۲۶)

آگے چل کر سورۃ البقرہ ہی میں ارشاد فرمایا:

''کیا ہمیشہ ایسا ہی نہیں ہوتا رہا کہ جب انہوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک نہ ایک گروہ نے اسے ضرور ہی بالائے طاق رکھ دیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو فاسق ہیں''۔(آیت نمبر ۱۰۰)

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۸۲۔۸۱ میں ارشاد ہوا:

''کہ اچھا تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے''۔

سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۰۲۔۱۰۱:

''دیکھو اس طرح ہم منکرین حق کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں کیونکہ ہم نے ان میں سے اکثر میں کوئی پاس عہد نہ پایا بلکہ اکثر کو فاسق ہی پایا''۔

سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۳:

''کیا تم نہ لڑو گے ایسے لوگوں سے جو اپنے عہد توڑتے ہیں''۔

اسی سورۃ کی آیت نمبر ۷۵ تا ۷۸ میں ارشاد فرمایا:

''ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے فضل سے ہم کو نوازا تو ہم خیرات کریں گے اور صالح بن کر رہیں گے۔ جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دولتمند کر دیا تو وہ بخل پر اتر آئے اور اپنے عہد سے ایسے پھرے کہ انہیں اس کی پرواہ تک نہیں۔نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اس بدعہدی کی وجہ سے جو انہوں نے اللہ سے کی اور اس جھوٹ کی وجہ سے جو وہ بولتے رہے۔اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق بٹھا دیا جو اس کے حضور ان کی پیشی کے دن تک ان کا

پیچھا نہ چھوڑے گا۔ کیا یہ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ کو ان کے مخفی راز اور ان کی پوشیدہ سرگوشیاں تک معلوم ہیں اور وہ غیب کی تمام باتوں سے پوری طرح باخبر ہے''۔

مدنی سرکار ﷺ کی بڑی مشہور حدیثِ مبارک ہے:

''جس کا عہد نہیں اس کا دین نہیں''۔ (احمد:۳۔۱۳۵)

یعنی اس بندے کا ایمان ہی معتبر نہیں جو بندہ وعدہ وفا کرنے والا نہ ہو۔ مذکورہ بالا آیات اور حدیث کی روشنی میں جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ جن روابط کے قیام اور استحکام پر انسان کی اجتماعی و انفرادی فلاح کا انحصار ہو اور جنہیں درست رکھنے کا حکم دیا گیا ہو جو لوگ اس پر ضرب لگاتے ہیں وہ گویا انسانی تمدن و اخلاق کی پوری دنیا کو جو دو آدمیوں کے تعلق سے لے کر بین الاقوامی تعلقات پر پھیلی ہوئی ہے' بگاڑتے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ فساد ہے اور جو فساد برپا کرتا ہے وہی فاسق ہے۔ کیونکہ بین الانسانی معاملات کی خرابی دراصل نظام اخلاق و تمدن کی بربادی ہے جو سراسر فتنہ کو جنم دیتی ہے اور

''فتنہ وفساد قتل سے بھی برا فعل ہے''۔ (البقرۃ:۱۹۱)

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب ''بحیثیت شارع'' میں معاہدوں کو اسلامی قانون کا ماخذ قرار دیا ہے۔ البتہ اگر کسی فریق کو بدعہدی کا خدشہ ہو تو اعلانِ برأت کی اجازت ہے۔ ۹ ہجری میں سورۃ توبہ کی ابتدائی آیات اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں اور یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب حضرت ابوبکر صدیقؓ حج کے لیے روانہ ہو چکے تھے اور آپ نے حضرت علیؓ کو بھیجا تاکہ حاجیوں کے مجمع میں پڑھ کر سنائیں۔ آپ کی ہدایت کے مطابق حضرت علیؓ نے یہ اعلان ۱۰ ذی الحجہ کو کیا۔

البتہ جو نقض عہد کا مرتکب نہیں ہوتا ان کے ساتھ حدیث میں معاہدہ وفا

کرنے کا حکم ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس نے محض دباؤ کی وجہ سے ایسا کیا ہے تا کہ کوئی ناراض نہ ہو جائے تو آیئے اس پر بھی ذرا قرآن سے فیصلہ لیتے ہیں:

سورۃ النساء آیت نمبر ۱۳۵:

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگر چہ انصاف اور گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب' اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا خواہش کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو' اللہ کو اس کی خبر ہے''۔

اسی سے ملتا جلتا مضمون سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۱۰-۷ میں یوں آیا:

''اللہ سے ڈرو۔ اللہ دلوں کے راز جانتا ہے۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے''۔ آخر میں رب کائنات اپنی بات کو یوں سمیٹتے ہیں کہ جو انکار کریں گے وہی دوزخ میں جائیں گے''۔

آئین پاکستان کی شق ۶۲ (۲) کے مطابق کوئی بدعہد شخص کسی بھی ریاستی عہدہ کے لیے نااہل تصور ہوگا۔ بالفرض وقتی فائدے کیلئے وعدوں سے انحراف اور معاہدوں کو توڑ کر چند روزہ زندگی میں حکمرانی مل بھی جائے اور ایمان کے سودے کر کے پورا براعظم بھی حاصل کر لو تو روز محشر یوں ہی کہو گے۔ ''ویقول الکافر یالیتنی کنت

تـرابًا'' (الـنبـاء: ۴۰)۔ یوں اللہ ان لوگوں کے وہ اعمال جو یہ دنیا میں کر رہے ہیں ان کے سامنے لائے گا تو یہ حسرتوں اور پشیمانیوں کے ساتھ ہاتھ ملتے رہیں گے مگر آگ سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

حق فروشی کے معاوضے میں خواہ انسان دنیا بھر کی دولت بھی لے لے' بہر حال وہ بہت تھوڑی قیمت ہی ہے کیونکہ حق یقیناً اس سے گراں تر چیز ہے۔

یقیناً معاہدے اور وعدے قرآن و حدیث نہیں ہوتے۔ لیکن قرآن ہی میں رب کریم نے ارشاد فرمایا:

جب بھی عہد کرو تو وفا کرو۔ (النحل:۹۱)

جو معاہدوں اور وعدوں کی پاسداری نہیں کرتا وہ قرآن و حدیث ہی کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر خود یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ رب کریم کے ہاں اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔ ڈرو اس دن سے جب سینے میں چھپے دل کو اور پھر دل میں چھپے خیالات کو بھی باہر نکال لایا جائے گا۔ کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا کہ میرے بندے کے دل میں کیا ہے؟ عوام تو شاید دھوکا کھا جائیں مگر اس کو کیسے دھوکا دیں گے جس کی آنکھوں میں نیند نہیں ہوتی؟

......☆......☆......☆......☆......

باب سوئم

اِذْ نَادٰی وَھُوَ مَکْظُوم

توبہ

توبہ کے اصل معنی رجوع کرنے اور پلٹنے کے ہیں۔قرآن میں توبہ کا لفظ سب سے پہلے سورۃ البقرہ آیت نمبر ۳۷ میں آیا۔ جب شیطان نے آدم کو ترغیب دے کر اللہ کے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اوران کو جنت سے نکلوا دیا۔تو قرآن میں آتا ہے اس وقت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی جس کو اس کے رب نے قبول کرلیا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ یہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب آدم کو اپنے قصور کا احساس ہوا اور انہوں نے نافرمانی سے فرمان برداری کی طرف رجوع کرنا چاہا اوران کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے رب سے خطا معاف کرائیں تو انہیں وہ الفاظ نہیں ملتے تھے جن کے ساتھ وہ خطا بخشی کیلئے دعا کرسکتے۔ اللہ نے سب سے پہلے انسان اور نبی کے حال پر رحم فرما کر وہ الفاظ بتا دیئے جن کا مفہوم یہ ہے:

''اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنے اوپر بہت ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور رحم نہ کیا تو ہم خسارہ پانے والوں میں شامل ہو کر برباد ہو جائیں گے''۔(الاعراف:۲۳)

سچی توبہ کے آداب کے متعلق سورۃ اٰل عمران آیت نمبر ۱۳۵ تا ۱۳۶ میں آتا ہے:

''اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً انہیں اللہ یاد آ جاتا ہے اور اس سے اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں کیونکہ اللہ کے سوا کون گناہ معاف کرسکتا

ہے اور دیدہ دانستہ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کردے گا اور ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کے لیے''۔

گناہ کر کے اس پر اصرار کرنا یہ سچی توبہ کے منافی ہے۔ سورۃ المائدہ میں آتا ہے پھر جو ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ کی نظرِ عنایت پھر اس پر مائل ہو جائے گی۔ اللہ بہت درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

سورۃ النساء آیت نمبر ۱۷ تا ۱۸ میں آتا ہے:

''ہاں یہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لیے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظرِ عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا اور حکیم دانا ہے''۔

مگر توبہ ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو برے کام کیے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے اس وقت وہ کہتا ہے کہ اب میں نے توبہ کی۔ اور اسی طرح توبہ ان کے لیے بھی نہیں ہے جو مرتے دم تک کافر رہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔

سورۃ الانعام آیت نمبر ۵۴ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کر لے تو وہ اسے معاف کر دیتا ہے اور

نرمی سے کام لیتا ہے''۔

سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۵۳ میں ارشاد فرمایا:

''اور جو لوگ برے عمل کریں پھر توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں تو یقیناً اس توبہ و ایمان کے بعد تیرا رب درگزر اور رحم فرمانے والا ہے''۔

سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۰۲ تا ۱۰۴ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ کچھ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا۔ بعید نہیں کہ اللہ ان پر مہربان ہو جائے کیونکہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی خیرات کو قبولیت عطا فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ سورۃ التوبہ ہی میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی شان بیان کرتے ہوئے آیت نمبر ۱۱۲ تا ۱۱۳ میں آٹھ خاصیتیں بیان کرتے وقت جو سب سے پہلے بیان فرمائی وہ ''التائبون'' یعنی اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے ہیں یعنی ایک ہی مرتبہ توبہ نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ توبہ کرتے رہتے ہیں۔ جب انسان غیر شعوری طور پر اپنی غفلت کو محسوس کرتا ہے اسے ندامت لاحق ہوتی ہے۔ شرمندگی کے ساتھ وہ خدا کی طرف پلٹتا ہے۔ رو رو کر اپنے رب سے معافی مانگتا ہے اور اپنے عہد کو پھر سے تازہ کر لیتا ہے۔

آنسوؤں کو روک رکھا تھا مگر
ان کے آگے سر جھکا تو بہہ گئے

یہی بار بار کی توبہ اور یہی رہ رہ کر خدا کی طرف واپس آنا ہی ایمان کے دوام و ثبات کا ضامن ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ مومن کی تعریف میں یہ نہیں فرماتا کہ

وہ بندگی کی راہ پر آ کر کبھی اس سے پھلستا ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کی قابل تعریف صفت یہ قرار دیتا ہے کہ وہ پھسل کر بار بار اسی کی طرف آ تا ہے اور یہی وہ بڑی سے بڑی خوبی ہے جس پر انسان قادر ہے۔ سورۃ التوبہ میں آ گے چل کر آیت نمبر ۱۱۸ میں ارشاد فرمایا:

''اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچانے کیلئے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے در رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تا کہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں۔ یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔''

سورۃ ھود آیت نمبر ۵۲ میں حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد سے مخاطب ہیں: ''اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے معافی چاہو۔ پھر اس کی طرف پلٹو۔ وہ تم پر آسمان سے رزق کے دھانے کھول دے گا اور تمہاری موجودہ قوت پر مزید قوت کا اضافہ کرے گا۔ مجرموں کی طرح منہ نہ پھیرو''۔

سورۃ ھود آیت ۹۰ میں حضرت شعیبؑ اپنی قوم سے مخاطب ہیں:

''دیکھو اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ۔ یقیناً میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔''

سورۃ مریم آیت نمبر ۶۰ تا ۶۱ میں حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا:

''البتہ جو توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عملی اختیار کریں' جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرا برابر حق تلفی نہ ہوگی۔ ان کیلئے ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور یقیناً یہ وعدہ پورا ہو کر رہنا ہے''۔

سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۸۲ میں ارشاد فرمایا:

''البتہ جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھا راستہ چلتا رہے اس کیلئے میں بہت درگزر کرنے والا ہوں''۔

سورۃ الفرقان آیت ۷۰ تا ۷۱ میں آتا ہے:

''اگر کوئی گناہوں کے بعد توبہ کر چکا ہو اور ایمان لا کر عمل صالح کرنے لگا ہو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔ جو شخص توبہ کر کے نیک عمل اختیار کرتا ہے وہ تو اللہ کی طرف پلٹ آتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہے''۔

سورۃ النمل آیت نمبر ۱۱ میں ارشاد فرمایا:

''پھر اگر برائی کے بعد اس نے بھلائی سے اپنے فعل کو بدل لیا تو میں معاف کرنے والا مہربان ہوں''۔

سورۃ القصص آیت نمبر ۶۷ میں فرمایا:

''اس لیے جس نے آج توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے' وہی یہ توقع کر سکتا ہے کہ وہاں فلاح پانے والوں میں سے ہوگا''۔

سورۃ المومن کے آغاز آیت نمبر ۱ تا ۲ میں ارشاد فرمایا:

''اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے''۔

الشوریٰ آیت نمبر ۲۴ اور ۲۶ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''وہ سینوں کے چھپے ہوئے راز جانتا ہے وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ

قبول کرتا ہے اور برائیوں سے درگزر کرتا ہے حالانکہ تم لوگوں کے سب افعال کا اسے علم ہے وہ ایمان لانے والوں کی دعا قبول کرتا ہے اور اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ دیتا ہے''۔

ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

''اپنے نفس کا تاوان دے کر' اس کو آج چھڑا لو۔ اپنی جان بچانے کا سودا آج ہی کر لو۔ ابھی بازار کھلا ہے قیمت پاس ہے' نرخ ارزاں ہیں' ابھی کچھ دیر میں بازار بند ہو جانے والا ہے۔ چیز سستی نہ مہنگی' ملے گی ہی نہیں۔ اس دنیا سے جاؤ گے تو ایک عجیب واقعہ ہو گا۔ یا تم ایک قید خانے سے چھوٹے ہو گے اور اپنے سامنے کھلی فضائیں پاؤ گے۔ یا پھر تم ابھی آزاد پھرتے ہو اور یہاں سے نکلتے ہی ایک قید خانے میں چلے جاؤ گے۔ ایک قید ضروری ہے خواہ یہاں کاٹ لو یا وہاں' یہاں عمل اور بندگی کی قید ہے وہاں بے بسی اور جہنم کی قید ہے۔ البتہ وہاں کے دن بہت لمبے ہیں چاہو تو یہاں کاٹ جاؤ اور چاہو تو وہاں۔ جہاں کٹے گی نہیں''۔

......☆......☆......☆......☆......

نالۂ نیم شب

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ ہر رات جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو رب کائنات آسمان دنیا پر نزول کرتا ہے اور فرماتا ہے:

''کوئی ہے جو مجھے پکارے؟ میں اس کی پکار سنوں گا۔کوئی ہے جو مجھ سے مانگے؟ میں اس کو عطا کروں گا۔کوئی ہے جو مجھ سے استغفار کرے؟ میں اس کو بخش دوں گا''۔(مسلم:۲۔۱۷۶)

پھر اس کی شان کریمی پہ قربان جایئے جو خود غنی ہے وہ محتاجوں کو بلاتا ہے۔قرآن میں ایک جگہ ارشاد فرمایا:

''کون ہے جو اس اللہ کو قرض دے جو خالی ہاتھ ہے نہ ظالم''۔(الحدید:۱۱)

اب ذرا سوچیں کتنی راتیں ہیں جو ہماری زندگیوں میں آ کر گزر گئیں اور ہماری جھولیاں خالی رہیں۔کیسی محرومی اور بدنصیبی ہے کہ ہم پاؤں پھیلائے سوئے رہتے ہیں۔ہمارے چاروں طرف رحمت و بخشش کے خزانے برستے ہیں اور ہمارے دامن خالی رہ جاتے ہیں۔جو مسلسل پکار رہا ہے۔

ے
ہم تو مائل بہ کرم ہیں، کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں

تہجد کے معنی ہے''نیند توڑ کر اٹھنا''یعنی رات کا ایک حصہ سونے کے بعد اٹھنا۔رات کو برکت کے خزانے بھی برستے ہیں اور فتنے بھی۔جنہیں غیب پر ایمان ہے ان کی نیند اڑ جاتی ہے رات کو سکوت اور تنہائی کے لمحات میں وہ اپنے رب سے

قربت حاصل کرنے کی جستجو کرتے ہیں۔ رات کا اٹھنا نہ صرف دل کی زندگی اور جذبات کی بالیدگی کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے بلکہ نفس کو قابو کرنے کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔

قرآن پاک میں ''سورۃ المزمل'' کی ابتدائی آیات ۱ تا ۶ میں جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر ایک کارِ عظیم کا بوجھ ڈال دیا تو اب اس کو پورا کرنے کے لازماً کچھ تقاضے تھے۔ اللہ تعالیٰ بڑے لطیف انداز میں اپنے نبی ﷺ کو خطاب کرتے ہیں: ''اے اوڑھ کر سونے والے! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ بڑھا دو۔ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کیلئے بہت کارگر ہے''۔

اب اس میں تین پہلو ہیں۔ پہلا مطلب تو یہ ہے کہ رات کو چونکہ نفس آرام کا مطالبہ کرتا ہے اس وقت اٹھنا طبیعت کے سخت خلاف ہے۔ لہٰذا اس مجاہدہ سے گزرنے والا شخص اپنے جسم اور ذہن پر تسلط حاصل کر لیتا ہے۔ مشکلات میں ثابت قدمی' ناجائز خواہشات پر کنٹرول اور عزیمت کے راستے پر چلنا اس کے لیے سہل ہو جاتا ہے۔ دوسرا رات کے پرسکون لمحات میں آدمی جو کچھ زبان سے کہتا ہے' وہ اس کے دل کی آواز ہوتی ہے۔ یوں بندے اور خدا کے درمیان کوئی دوسرا حائل نہیں ہوتا۔ تیسرے رات کو اٹھنے والا یقیناً اخلاص کی بنا پر ایسا کرے گا۔ لہٰذا اس میں ریاکاری کا سرے سے کوئی موقع ہی نہیں ہوتا۔ اس سے جو استقلال انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے' وہ نہ صرف خدا کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرتا ہے بلکہ اس کی رضا و خوشنودی کے حصول کا سبب بھی بنتا ہے۔

سورۃ الدھر آیت نمبر ۲۵ تا ۲۷ ارشاد فرمایا: ''اور اپنے رب کا نام صبح وشام یاد کرو۔ رات کو بھی اس کے حضور سجدہ ریز رہو اور رات کے طویل اوقات میں اس کی تسبیح کرتے رہو۔ یہ لوگ تو جلدی حاصل ہونے والی چیز' دنیا سے محبت رکھتے تھے اور آگے جو بھاری دن آنے والا ہے' اسے نظر انداز کر دیتے ہیں''۔

سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۷۸ تا ۷۹ میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''نماز قائم کرو' زوال آفتاب سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور فجر کے قرآن کا بھی التزام کرو کیونکہ قرآنِ فجر مشہود ہوتا ہے۔ اور رات کو تہجد پڑھو' یہ تمہارے لیے نفل ہے۔ بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کر دے''۔

نماز تہجد پر مقام محمود کا وعدہ یعنی دنیا اور آخرت میں تم ایسے مرتبے پر پہنچا دیئے جاؤ گے جہاں تم محمودِ خلائق بن جاؤ گے۔ ہر طرف سے تم پر مدح وستائش کی بارش ہوگی اور تمہاری ہستی ایک قابلِ تعریف ہستی بن جائیگی یعنی سچی ناموری حاصل ہوگی۔

قرآن میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ''ان کے پہلو خواب گاہوں سے الگ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ اپنے رب کو امید اور خوف سے پکارتے ہیں۔ اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (سجدہ: ۱۶) ان کیلئے حق تعالیٰ نے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جس کا نہ کوئی ذہن سوچ سکتا ہے نہ کسی کو علم ہے''۔

حضرت بلالؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم رات کے جاگنے کو کوشش کر کے ممکن بناؤ کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین اور نیک لوگوں کا طریقہ ہے۔ اور رات کا قیام اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب کا ذریعہ ہے اور گناہوں کا کفارہ بھی۔ قیام لیل گناہوں سے روکنے اور حسد کو دور کرنے والی چیز ہے۔ (سنن ترمذی: ۵۔۵۵۲)

ابو سعید خدریؓ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمیوں سے حق تعالیٰ بہت خوش ہوتے ہیں ایک وہ جو رات کو اٹھ کر نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے۔ دوسرا نماز میں صف بندی کرنے والا تیسرا جو کفار کے مقابلے میں جہاد کیلئے صف بنائے۔ (شرح السنۃ للبغوی :۲۔۱۵۴)

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ حق تعالیٰ کے یہاں کس وقت کی دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پچھلی رات کے درمیان اور فرض نمازوں کے بعد۔ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا' آپ ﷺ فرماتے تھے کہ رات کے نصف اخیر وقت میں حضرت داؤدؑ اپنے اہل خانہ کو جگاتے اور فرماتے کہ آل داؤد! اٹھو اور نماز پڑھو کیونکہ اس وقت حق تعالیٰ ساحر وعشار (جادوگر اور ڈاکو) کے علاوہ تمام مسلمانوں کی دعا قبول فرماتے ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل:۴۔۲۲)

حضرت سہلؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ اے محمد ﷺ! آپ جب تک چاہیں زندہ رہیں' بالآخر موت ضرور آنے والی ہے اور جو چاہے عمل کیجئے' آپ کو اس کا بدلہ ضرور دیا جائے گا اور جس سے چاہے دوستی کرلیں ہر صورت آپ اس سے جدا ہونے والے ہیں۔ اے محمد ﷺ! خوب جان لو کہ مومن کی بزرگی اور شرافت' رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے میں ہے اور اس کی عزت' مخلوق سے بے نیازی اختیار کرنے میں ہے۔ (المستدرک للحاکم:۴۔۳۶۰)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا کہ رات میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ جس میں کوئی مسلمان آدمی دنیا وآخرت کی جو

بھلائی طلب کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرما دیتے ہیں۔ (ابن حبان: ۶۔۳۰۱)

حضرت عمرو بن عبسہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: حق تعالیٰ اور بندے کے ساتھ سب سے زیادہ قرب اور نزدیکی پچھلی رات کے درمیان ہے۔ اگر تم سے ہوسکے تو ان لوگوں میں سے ہو جو خدا کا ذکر فرماتے ہیں۔ (سنن ترمذی: ۵۔۵۶۹)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: کہ تین شخصیتوں کو حق تعالیٰ دوست رکھتے ہیں۔ ایک وہ جو رات کو اٹھے اور قرآن کی تلاوت کرے۔ دوسرا وہ جو دائیں ہاتھ سے صدقہ کرے اور بائیں ہاتھ کو اس کی خبر نہ ہو (یعنی پوشیدہ)۔ تیسرا وہ جو کسی جنگ میں تھا' اس کے ساتھیوں کو شکست ہوئی تو اس نے دشمن کا مقابلہ کیا۔ (سنن ترمذی: ۴۔۶۹۷)

اسماءؓ بنت یزید حضور ﷺ سے نقل فرماتی ہیں کہ قیامت کو تمام لوگوں کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا۔ پھر ایک پکارنے والا پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو راتوں میں پہلوؤں کو اپنے بستروں سے الگ رکھتے ہیں؟ پس لوگ اٹھیں گے اور بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہو جائیں گے اور یہ لوگ تعداد میں بہت تھوڑے ہوں گے۔ اس کے بعد پھر تمام لوگوں کے حساب کتاب کا حکم دیا جائے گا۔ (شعب الایمان: ۳۔۱۶۹)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہے جس کے اوپر سے جوڑے اور نیچے سے یاقوت وموتی کی زین اور لگام لگے ہوئے سونے کے ایسے گھوڑے نکلتے ہیں جو نہ لید کرتے ہیں اور نہ پیشاب' ان کے پر ہوتے ہیں۔ اوران کی رفتار انتہائے نظر ہوتی ہے

اہل جنت ان پر سوار ہو کر جہاں چاہتے ہیں لے اڑتے ہیں۔ جو لوگ ان سے نیچے درجے کے ہوتے ہیں' وہ کہتے ہیں اے پروردگار! تیرے بندوں کو یہ بزرگی کس وجہ سے حاصل ہوئی؟ جواباً کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ رات میں نماز پڑھتے تھے اور تم سوتے تھے۔ یہ لوگ جہاد کیا کرتے تھے اور تم بزدلی سے کام لیا کرتے تھے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے جابر! تم رات کو ہرگز نماز نہ چھوڑو اگرچہ بکری کا دودھ دوہنے کی بقدر ہو۔

ع فغانِ نیمِ شبی بے نوائے راز نہیں

اگر آپ نے شب بیداری کی یہ صفت پیدا کر لی تو اس مجاہدہ سے آپ کو اپنا احتساب کرنے کا موقع ملے گا۔ اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہانے اور آہ وزاری کرنے سے جہاں اللہ کی رضا و محبت حاصل ہوگی وہاں نفس کے مطالبات پر قابو پانے اور دل کو اللہ کی یاد اور نیک خیالات سے آباد رکھنے کی مشق بھی ہوگی۔ یہاں کی فنا ہونے والی لذتوں کو ابدی لذتوں میں اور یہاں کے عارضی عیش کو ہمیشہ ہمیشہ کے عیش میں۔ اس مٹ جانے والی متاع کے بدلے میں' ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں سے آپ کی جھولی بھر دی جائیگی۔ ان شاءاللہ۔

......☆......☆......☆......☆......

دعا کے لیے بہترین الفاظ

دعا بندگی کا اعلیٰ ترین مقام اور بندگی کی پہچان ہے۔ اخلاصِ نیت کی سب سے بڑی علامت دعا ہے۔ ہر ایک سے کٹ کر خدا کے در کی طرف پلٹنا اور شرف و قبولیت کے احساس کے ساتھ جب اس کے سامنے ہاتھ پھیلایا جائے تو قلب کی اسی کیفیت کا عنوان عبادت ٹھہرا۔ دعا ایک عبادت ہے اس لیے شیطان سب سے زیادہ کوشش اس پر کرتا ہے کہ انسان کو اللہ کے علاوہ غیر اللہ سے دعا پر آمادہ کرایا جائے۔ لہٰذا کبھی کبھی بزرگوں سے محبت میں غلو کروا کر اپنا مطلب نکلواتا ہے اور کبھی آستانوں پر تبرک جیسے لفظوں سے شرک کے راستے پر لا کھڑا کرتا ہے۔ اپنے کیے کرائے کو غارت ہونے سے بچانے کے لیے پھر کیوں نہ بارگاہِ نبوی ﷺ سے راہنمائی لی جائے۔ دعا کے لیے قرآنی دعاؤں کے بعد ان الفاظ سے بہتر الفاظ بھلا اور کون سے ہو سکتے ہیں جن کی تعلیم خود نبی ﷺ نے دی ہے ایک دفعہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے فریاد کی: ہائے میرے گناہ' ہائے میرے گناہ! آپ ﷺ نے فرمایا یہ کلمات پھر کہو' اس نے کہے۔ فرمایا پھر کہو اس نے دوبارہ کہے۔ فرمایا پھر کہو اس نے تیسری بار کہے۔ فرمایا کھڑے ہو جاؤ تمہارے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ (المستدرك على الصحيحين: ۱-۷۲۸)

کنز العمال میں ابن عباسؓ و ابن عمرؓ سے روایت ہے:

اے اللہ تو نے کہا اور تیرا کہنا حق ہے کہ مجھے پکارو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ اے اللہ یہ ہے میری دعا اب قبول کرنا تیرا کام ہے:

رحم کر مجھ پر میرے مولا! میرے آقا! تو بے حد بخشنے والا ہے اور میں

گنہگار۔ سوائے بخشنے والے کے اور کون ہے جو گنہگار پر رحم کرے گا؟ میرے مولا! میرے آقا! تو ہی مالک ہے اور میں تیرا مملوک۔ سوائے مالک کے اور کون ہے جو مملوک پر رحم کرے گا؟ میرے مولا! میرے آقا! تو رب ہے اور میں تیرا بندہ۔ سوائے رب کے اور کون ہے جو بندے پر رحم کرے گا؟ میرے مولا! میرے آقا! تو رازق ہے اور میں مرزوق۔ سوائے رازق کے اور کون ہے جو مرزوق پر رحم کرے گا؟ میرے مولا! میرے آقا! تو کریم ہے اور میں لئیم۔ سوائے کریم کے اور کون ہے جو لئیم پر رحم کرے گا؟ میرے مولا! تو عزت والا ہے اور میں ذلیل۔ سوائے عزت والے کے اور کون ہے جو ذلیل پر رحم کرے گا؟ میرے مولا! میرے آقا! تو قوت والا ہے اور میں کمزور ناتواں۔ سوائے قوت والے کے اور کون ہے جو کمزور پر رحم کرے گا؟ میرے مولا! میرے آقا! تو بخشنے والا ہے اور میں گنہگار۔ سوائے بخشنے والے کے اور کون ہے جو گنہگار پر رحم کرے گا؟

میرے رب! کتنی نعمتیں ہیں جو تو نے مجھے دیں مگر ان پر میں نے کم ہی تیرا شکر ادا کیا اور کتنی مصیبتیں ہیں جن میں تو نے مجھے ڈالا مگر ان پر میں نے کم ہی تیرے لیے صبر کیا۔ اور پس اے وہ کہ جس کی نعمتوں پر میں نے کم ہی شکر کیا اور پھر بھی اس نے مجھے محروم نہ کیا۔ اے وہ کہ جس کی مصیبتوں پر میں نے کم ہی صبر کیا اور پھر بھی اس نے میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور اے وہ کہ مجھے گناہ کرتے دیکھتا رہا اور پھر بھی اس نے مجھے رسوا نہ کیا۔ (کنز العمال)

کنز العمال: ۲۔۶۸۷ میں حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے:

''اے اللہ! میں تجھ سے ایسا نفس مانگتا ہوں جو تجھ پر مطمئن رہے۔

تیرے ساتھ پر یقین رکھے، تیرے ہر فیصلے پر راضی رہے اور تو جو کچھ عطا کرے اس پر قانع رہے۔ اے اللہ! میرے نفس کو اس کے مناسب حال تقویٰ عطا کر اور اسے پاک کر دے۔ تو ہی سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے۔ تو ہی اس کا آقا اور مالک ہے''۔

کنز العمال: ۲۔۱۸۲ میں حضرت ابی بن مالکؓ سے مروی ہے:

''اے اللہ! اپنی محبت کو تمام چیزوں سے زیادہ محبوب بنا دے اور اپنے ڈر کو تمام چیزوں کے ڈر سے زیادہ کر دے۔ اور مجھے اپنے ساتھ ملاقات کا ایسا شوق دے کہ میری دنیا کی محتاجی ختم ہو جائے اور جہاں تو نے دنیا والوں کی لذت ان کی دنیا میں رکھی ہے میری لذت اپنی عبادت میں رکھ دے۔ اے اللہ! مجھے ایسا بنا دے کہ اپنے سارے دل کے ساتھ تجھ سے محبت کروں اور اپنی پوری کوشش تجھے راضی کرنے میں لگا دوں''۔

''اے اللہ! مجھے ایسا بنا دے کہ میں تجھ سے اس طرح ڈروں گا گویا میں تجھے تیرے ساتھ ملاقات کے وقت دیکھ رہا ہوں۔ اور مجھے اپنے تقویٰ سے سعادت بخش اور مجھے بد بخت نہ بنا کہ تیری نافرمانی کروں''۔ (کنز العمال: ۲۔۱۷۶، عن ابی ہریرہؓ)

''اے اللہ! تو میری بات کو سن رہا ہے اور تو میرا مقام اور حالت دیکھ رہا ہے اور میرے چھپے اور کھلے سب کو جانتا ہے۔ تجھ سے میری کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ میں مصیبت زدہ ہوں محتاج ہوں' فریادی ہوں' پناہ کا طلبگار ہوں۔ ڈرنے والا ہوں' ہراساں ہوں' اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں' اعتراف کرتا ہوں' میں تجھ سے مانگتا ہوں جیسے بے کس مانگتا ہے اور میں تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گناہ گار اور ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے۔ اور میں تجھ کو پکارتا ہوں جیسے خوفزدہ آفت

زدہ پکارتا ہے۔ ایسے شخص کی پکار جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہے اور جس کے آنسو تیرے سامنے بہہ رہے ہیں۔ جس کا تن بدن تیرے آگے جھکا ہوا ہے اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہے۔ اے اللہ! تو ایسا نہ کر کہ تجھ سے مانگوں اور پھر بھی محروم رہوں۔ تو میرے حق میں بڑا مہربان اور رحم کرنے والا بن جا' اے سب دینے والوں سے بہتر!''۔ (کنز العمال: ۲۔۱۲۲، عن ابن عباسؓ)

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص جو گنہگار ہو جس نے اپنے برے اعمال کی وجہ سے رب العزت کو سخت ناراض کیا ہو۔ جب وہ یہ دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنا رخ دوسری طرف پھیر لیتے ہیں۔ وہ پھر پلٹ کر یہ دعا مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا رخ پھر دوسری طرف پھیر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ بندہ پھر آس کے ساتھ دعا مانگتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے:

''اے میرے بندے! اب مجھے رخ پھیرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ میری عزت وغیرت کو گوارہ نہیں۔ مانگ تو جو بھی مانگے گا تجھے ملے گا''۔

''اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں تیرے بندے اور تیری بندی کا بیٹا ہوں۔ میں مادر زاد غلام ہوں۔ میری عزت' میری پیشانی' سب تیرے قبضۂ قدرت میں ہے۔ میں تجھ سے تیرے ناموں کے سہارے جو تو نے مجھے یاد کرائے' جو مجھے یاد ہیں یا وہ جو مجھے یاد نہیں ہیں اور وہ نام جو تجھے بہت پسند ہے' اس کے سہارے یہ دعا مانگتا ہوں کہ قرآن کو میرے دل کی بہار بنا دے اور قیامت کے دن میرے حق میں حجت بنانا میرے خلاف حجت نہ بنانا۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ہی پاک ناموں کے سہارے مجاہدین کی کامیابی کی دعا مانگتا ہوں۔ اے اللہ! تُو اپنے فضل وکرم سے مسلمان جہاں کہیں بھی کفر کے

خلاف برسر پیکار ہیں غیب سے ان کیلئے بہتری کے سامان پیدا فرما۔ اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ میرے حقیر مال و جان' حقیر اولاد اور حقیر صلاحیتوں کو اپنے دین کی سربلندی کیلئے قبول کر لے۔ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ناموں کے سہارے اپنے والدین کی بخشش کی دعا کرتا ہوں کہ تو ان کو بخش دے۔ اے اللہ! تجھ سے تیرے ناموں کے سہارے دعا کرتا ہوں کہ مجھے حسد' ریا کاری' چغلی' بدی' بخیلی' زنا اور تمام روحانی وجسمانی بیماریوں سے بچا کے رکھنا۔ اور روز محشر جب تیری بارگاہ میں آؤں تو تو پوچھے اے میرے بندے! کیا لایا ہے؟ اور میں کہوں پروردگار عالم! تیرا پیار' تیری محبت' اور تیرے نبی ﷺ کا پیار اور اتباع' تیری رضا لایا ہوں۔ اور تو جواب میں ارشاد فرمائے۔ میرا بندہ سچ کہتا ہے۔ اے اللہ! تجھ سے تیرے ناموں کے سہارے' اپنے سارے معاملات تیرے ہی سپرد کرتا ہوں تو اپنے خاص فضل وکرم سے مجھے میرے نفس' شیطان اور جنات سے بچا کر رکھنا۔ میرے اللہ! تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں۔ جتنا میرے بس میں ہے تجھ سے عہد و پیمان پورا کرتا ہوں تیری پناہ چاہتا ہوں جو کچھ کیا اس کے شر سے اپنے اوپر تیری نعمتوں کا اعتراف بھی ہے اور ساتھ ہی اپنے گناہوں کا اقرار بھی۔ پس اگر تُو سزا دے تو ظلم نہیں عدل ہوگا اور اگر معاف کر دے تو احسان ہوگا۔ تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ تو مجھے اپنے سچے اور خالص بندوں میں شامل کر دے''۔

ترمذی شریف میں ابی ہریرہؓ سے روایت ہے:

اے اللہ! ہمارے دل اور ہماری مہار اور ہمارے اعضاء' سب تیری مٹھی میں ہیں اور تو نے ہمیں ان میں سے کسی چیز کا بھی مالک نہیں بنایا۔ پس جب

تو نے ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے تو بس تو ہی ہمارا ولی بن جا اور ہمیں سیدھے راستے کی طرف لے جا۔

میرے معبود! تیرا بندہ تیرے در پر ہے۔ تیرا مسکین' تیرے در پر ہے۔ تیرا ذلیل بندہ' تیرے در پر ہے۔ تیرا کمزور اور ناتواں بندہ' تیرے در پر ہے۔ تیرا سائل' تیرے در پر ہے۔ تیرا مہمان تیرے در پر ہے۔ اے رب العالمین!

اے رحمٰن! میرے دل کو ایسا بنا دے کہ تیری یاد سے اطمینان پائے اور میرے دل میں سکینت اتار دے اور مجھے تقویٰ کی بات کا پابند رکھ۔ توبۃ النصوح اور قلب سلیم عطا فرما میں تیری رحمت سے مایوس ہونے والا نہیں۔ مجھے بخشش دے' مجھ پر کرم فرما۔

اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بھوک سے' خیانت سے' فکروغم سے' قرض کے بارسے' لوگوں کے دباؤ سے' آنکھ' کان' دل اور زبان کے شر سے' بزدلی' کاہلی اور کنجوسی سے۔ ایسے علم سے جو نفع نہ دے۔ ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو۔ ایسے نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو۔ ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔ (سنن النسائی :۸۔۶۸۰)

میرے پروردگار! بہت کچھ عرض کیا' بہت کچھ مانگا' بہت کچھ نہ مانگ سکا۔ تو نے پہلے بھی بن مانگے دیا۔ تو اپنے ظرف کے مطابق فیصلہ عطا فرما۔ تیرے خزانے لامتناہی ہیں اگر میں نے تجھ سے منہ موڑا تو تیری عبادت کرنے والے میرے بغیر بے شمار ہیں۔ تیری خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن تو نے اگر مجھ سے منہ موڑ لیا تو تیرے علاوہ میرا تو کوئی آقا نہیں۔ میرے غفور و ودود رب کریم مجھ سے منہ نہ

موڑنا اور نہ مجھے اپنے سے دور پھینکنا، کیونکہ تُو جانتا ہے کہ میرا تیرے سوا کوئی نہیں۔ اے دعاؤں کو قبول کرنے والے! میری دعاؤں کو قبول فرما۔ بے شک تو غفور و رحیم سننے اور جاننے والا ہے۔

اے اللہ! میرے لیے اپنی محبت کو میرے نفس سے' میرے اہل و عیال سے' میرے مال واولاد سے' اور شدید گرمی میں سخت پیاس کے عالم میں' ٹھنڈے پانی کی محبت سے زیادہ کردے۔ اے ہمارے رب! ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں اور کہاں جائیں؟ تیرے در پر پڑے ہیں اور کس در پر جائیں۔ تیرے ہی آگے گریہ وزاری کرتے ہیں۔ تو ہمارے لیے کافی ہے۔ تو ہمارا بہت اچھا وکیل ہے۔ کیا ہی خوب مولا اور کیا ہی خوب مدد فرمانے والا ہے۔ مانگنے والوں میں سب سے بہتر جس سے مانگا جائے اور عطا کرنے والوں میں کیا خوب عطا کرنے والے اے اللہ! درود بھیج محمد ﷺ پر اور ان کی آل پر۔ آمین ثم آمین۔

......☆......☆......☆......☆......

دعا دل کی زندگی اور زندگی کا حسن

دعا دل کی زندگی اور روح کا قرار ہے۔ جو زبان سے الفاظ اور آنکھوں سے آنسو بن کر نکلتی ہے تو پروردگارِ عالم کی شانِ کریمی جوش سے تڑپ کر اپنے بندے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

تڑپ کر شانِ کریمی نے لے لیا بوسہ
کہا جو سر کو جھکا کے گناہگار ہوں میں

روایات میں آتا ہے جب اللہ کا کوئی نیک بندہ اسے پکارتا ہے تو پروردگار عالم اس کے جواب میں ایک دفعہ ہاں کہتا ہے۔ یقیناً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بندے کے ذہن میں دعا کرتے وقت اپنی عبادات تہجد یا پارسائی کا کسی حد تک گمان ہوتا ہے۔ لیکن جب کوئی گنہگار بندہ اپنے رب سے مانگتا ہے تو اس کے پاس چونکہ اپنی کوئی قابل ذکر نیکیاں اور اعمال نہیں ہوتے لہٰذا جب وہ اپنے رب سے مانگتا ہے تو مکمل طور پر اس کے فضل کے سہارے ہی مانگتا ہے۔ جس کی وجہ سے روایات میں آتا ہے کہ رب اپنے اس بندے کی پکار کے جواب میں دو دفعہ ہاں کہتا ہے۔

اللہ رب العزت کو اپنے بندے کی عبادت کی نسبت عاجزی بہت پسند ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک زاہد و عابد تارکِ دنیا میٹھے چشمے کے کنارے جس پر ایک میٹھے انار کا درخت بھی لگا ہوا تھا' سالہا سال عبادت کرتا رہا۔ جب وہ روز محشر رب کے حضور پیش ہوگا تو پروردگار عالم اسے جنت عطا کرتے وقت سوال کریں گے کہ اے میرے بندے آج تو کس وجہ سے جنت میں جا رہا ہے وہ جواب دے گا کہ میں نے ساری زندگی تیری عبادت کی جس کی بناء پر آج تو نے مجھے جنت عطا کی۔ فرشتوں کو حکم ہوگا

کہ اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو۔ فرشتے جب اس کو گھسیٹتے ہوئے جہنم کی طرف لے جائیں گے تو پیاس کی شدت سے وہ پانی مانگے گا۔ جب فرشتے پانی دینے سے انکار کر دیں گے تو پیاس کی شدت سے وہ کہے گا کہ میری سو سال کی عبادت لے لو اور مجھے اس کے بدلے ایک گلاس پانی دے دو۔ چنانچہ فرشتے اس سے سو سال کی نیکیاں لے کر پانی کا ایک گلاس دے دیں گے۔ پھر اسے گھسیٹتے ہوئے آگے چل پڑیں گے کچھ دیر بعد پھر ایسا ہی ماجرا دہرایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی تین چار سو سال کی عبادت و ریاضت تین چار گلاس پانی کے عوض بیچ دیتا ہے اور اس کے پاس باقی دینے کو کچھ نہیں رہتا۔ تب رب العزت اس سے پوچھتے ہیں کہ اب بتاؤ جہنم لے جانے سے تجھے کیا چیز روک سکتی ہے؟ وہ زاہد خشک ہونٹوں کے ساتھ بے اختیار بول اٹھے گا۔ اے مالک! اب تو تیری بے پایاں رحمت ہی کے سہارے میں بچ سکتا ہوں۔ ارشاد خداوندی ہوگا۔ اے نادان انسان! تو نے تین چار سو سال کی عبادت کو تین چار گلاس پانی کے عوض بیچ دیا۔ ذرا غور تو کر' میں تجھے جو ساری عمر چشمے کا ٹھنڈا میٹھا پانی بلا حساب پلاتا رہا اور میٹھے اناروں سے تیری بھوک مٹاتا رہا۔ تو تو اس کا احسان نہیں اتار سکتا چہ جائیکہ تجھے اپنی عبادت کا گھمنڈ ہے۔

صاحبو! رب سے دعا کیا کرو کہ اے رب العزت! ہمارے عیبوں کو چھپائے رکھنا اور ہمارے کسی گناہ پر ہمیں پکڑنا بھی نہیں کیونکہ تیری پکڑ بہت سخت ہے۔

کسی کو ہو تو ہو اپنی عبادت پہ غرور
مجھے فقط تیری رحمت بے پایاں پہ ناز ہے

دعا کیلئے ان الفاظ سے بہتر الفاظ کون سے ہو سکتے ہیں جن کی تعلیم خود

پروردگار عالم نے اپنے حبیب ﷺ کو دی ہے۔قرآن وحدیث کی روشنی میں چند دعائیں آپ کی نذر کر رہا ہوں جو بندے کے رب سے تعلق میں محبت ومغفرت کو نمایاں کرتی ہیں۔اسے آپ بے انتہا مفید پائیں گے۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دنیا میں جب کسی سے کوئی چیز (مال ودولت جائیداد یا ضروریات زندگی) مانگی جاتی ہے تو دینے والا اکتاہٹ محسوس کرتا ہے مگر بادشاہوں کے بادشاہ بہت ہی اعلیٰ ظرف والے پروردگار عالم سے جب مانگا جاتا ہے تو وہ بے حد خوش ہوتا ہے۔خود قرآن میں آتا ہے۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۶: ''اور اے نبی ﷺ! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔لہٰذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں (یہ بات تم انہیں سنا دو) شاید کہ وہ راہ راست پالیں''۔

سورۃ النحل آیت نمبر ۶۲: پروردگار عالم فرماتے ہیں ''کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف کو رفع کرتا ہے۔اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی یہ کام کرنے والا ہے؟ تم لوگ کم ہی سوچتے ہو''۔

سورۃ المؤمن آیت نمبر ۶۰: ''تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو۔میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔جو لوگ گھمنڈ میں آ کر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں۔ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے''۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۰۱: ''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی

دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا''۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۵۰: ''اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان کر' ہمارے قدم جما دے اور اس کافر گروہ پر ہمیں فتح نصیب کر''۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۸۶: ایمان لانے والو تم یوں دعا کیا کرو: ''اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر گرفت نہ کر۔ مالک! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار! جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے وہ ہم پر نہ رکھ' ہمارے ساتھ نرمی کر' ہم سے درگزر فرما' ہم پر رحم کر' تو ہمارا مولا ہے۔ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر''۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۸: ''پروردگار! جب تو ہمیں سیدھے رستہ پر لگا چکا ہے تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دیجیو۔ ہمیں اپنے خزانۂ فیض سے رحمت عطا کر کہ تو ہی فیاض حقیقی ہے''۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۶: ''مالک! ہم ایمان لائے۔ ہماری خطاؤں سے درگزر فرما اور ہمیں آتشیں دوزخ سے بچا لے''۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۴۷: ''اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما۔ ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اسے معاف کر دے۔ ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر''۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۹۰ تا ۱۹۳: ''پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا۔ تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ تو نے جسے دوزخ میں ڈالا اسے

درحقیقت بڑی ذلت ورسوائی میں ڈال دیا اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مدد گار نہ ہوگا۔ مالک! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا اور کہتا تھا کہ اپنے رب کو مانو۔ ہم نے اس کی دعوت قبول کر لی۔ پس اے ہمارے آقا! جو قصور ہم سے ہوئے ہیں' ان سے درگزر فرما جو برائیاں ہم میں ہیں' انہیں دور کر دے۔ اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر''۔

سورۃ الاعراف آیت نمبر۲۳: ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا ور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔ اور خسارہ پانے والوں میں شامل ہوں گے''۔

سورۃ الاعراف آیت نمبر۱۵۵ تا۱۵۶: '' اے ہمارے رب! ہمارا سرپرست تو تو ہیے۔ پس ہمیں معاف کر دے اور ہم پر رحم فرما۔ تو سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔ اور ہمارے لیے اس دنیا کی بھلائی بھی لکھ دے اور آخرت کی بھی۔ ہم نے تیری طرف ہی رجوع کرلیا''۔

سورۃ ابراہیم آیت نمبر۴۰ تا۴۱: '' اے میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد کو بھی۔ پروردگار! میری دعا قبول کر۔ پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اس دن معاف کر دیجیو جبکہ حساب قائم ہوگا''۔

سورۃ ھود آیت نمبر۴۷: ''اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں جس کا مجھے علم نہیں۔ اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا تو میں برباد ہو جاؤں گا''۔

سورۃ المؤمنون آیت نمبر۹۳ تا۹۴: ''اے نبی ﷺ! دعا کرو کہ اے پروردگار! جس عذاب کی دھمکی دی جا رہی ہے وہ اگر میری موجودگی میں تو لائے تو اے میرے رب! مجھے ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجیو''۔

سورۃ المؤمنون آیت نمبر ۱۱۸: ''اے نبی ﷺ! کہو میرے رب! درگزر فرما اور رحم کر تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے''۔

سورۃ الفرقان: ۷۴: ''اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا''۔

بے شک دعا دل کی زندگی اور زندگی کا حسن ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ سچے دل عاجزی اور خلوص سے کی ہوئی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ دعا کی قبولیت کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ دعا میں جو چیز طلب کی جائے من وعن وہ مل جاتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انسان کی عقل چونکہ محدود ہے۔ لہٰذا بعض دفعہ وہ ایسی چیز کی تمنا کرتا ہے جو اس کے حق میں بہتر نہیں ہوتی۔ لہٰذا اللہ رب العزت اس کے بدلے میں کوئی بہتر چیز اس کو عطا کر دیتے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی حکمت کے تحت یا کسی کے درجات بلند کرنا مقصود ہو یا اپنے بندے کی بخشش کیلئے حجت قائم کرنا ہو تو پروردگار عالم اس دعا کو آخرت یعنی روز محشر تک مؤخر کر دیتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک بندہ روز محشر جب حساب کتاب کے لیے اللہ کے حضور پیش ہوگا اور اس کا نامۂ اعمال اس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اپنی نیکیوں کے انبار دیکھ کر وہ دنگ رہ جائے گا اور بے اختیار پکار اٹھے گا۔ اے پروردگار! میں نے تو اتنی نیکیاں نہیں کی تھیں۔ تو جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ اے میرے بندے! تو نے فلاں فلاں موقع پر مجھ سے یہ نہیں مانگا اور میں نے تجھے نہیں دیا تھا۔ تو نے فلاں موقع پر یہ دعا کی تھی۔ فلاں موقع پر یہ مانگا تھا اور تجھے نہیں ملا تھا۔ وہ انسان اثبات میں جواب دے گا تو رب العزت فرمائے گا۔ آج ان دعاؤں کا بدلہ تجھ کو ان نیکیوں کی صورت میں دیا جا رہا ہے جو دنیا میں تمہاری قبول نہیں ہوئیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ

انسان اس وقت پچھتائے گا اور کہے گا۔ کاش دنیا میں میری کوئی دعا بھی قبول نہ ہوئی ہوتی۔ آج مجھے اس کا بدلہ اور زیادہ ملتا۔ اس لیے دوستو! دعاؤں کے اثرات نظر آئیں یا نہ آئیں، ہاتھ پھیلاتے رہو اس سے مانگتے رہو، خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے بادشاہوں کے بادشاہ کو حیا آتی ہے۔ اس لیے قرآن پاک میں آتا ہے:

''میری رحمت سے تو کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں''۔ (سورۃ یوسف :۸۷)''جس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور معاً اسے خدا یاد آیا۔ اس نے پلٹ کر اپنے رب سے توبہ کی تو وہ رب کو بڑا غفور رحیم پائے گا''۔

اللہ تعالیٰ انسان سے گناہ سرزد ہونے کو اس کی فطرت کہتے ہیں۔ گناہ ہو جانا کوئی ایسی بات نہیں البتہ گناہ پر اصرار کرنا ایک اور بڑا گناہ ہے۔ انسان کے گناہوں سے اگر زمین و آسمان بھی اٹ جائیں تو وہ یہ مت بھولے کہ اس کا مالک بہت بڑے ظرف والا ہے۔ اللہ کی رحمت و بخشش اس کے گناہوں پر حاوی ہے۔

سورۃ آل عمران آیت ۱۳۴ سے ۱۳۶ میں پروردگار عالم فرماتے ہیں:

''جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔ جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے تو یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آجاتا ہے اور وہ اس سے اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہے اور وہ کبھی دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ ان کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں انہیں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا بدلہ ہے نیک اعمال کرنے والوں کیلئے''۔

سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۱۸ میں سچا رب فرماتا ہے:

''اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کیلئے کوئی جائے پناہ خود اللہ کے دامن رحمت کے سوا نہیں ہے۔ تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تا کہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں۔ یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے''۔

سورۃ ھود آیت نمبر ۶۱ میں رب اپنے نبی ﷺ کو واقعہ سناتے ہیں:

''اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں۔ وہی ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور یہاں تم کو بسایا ہے۔ لہٰذا تم اس سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ۔ یقیناً میرا رب قریب ہے اور دعاؤں کا جواب دینے والا ہے''۔

اسی سورت میں آگے آیت نمبر ۹۰ میں حضرت شعیبؑ اپنی قوم سے مخاطب ہیں:

''دیکھو! اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف پلٹ آؤ۔ بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے''۔

سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۳ میں آتا ہے:

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہو جو تم پر رحمت فرماتا ہے اور اس کے ملائکہ تمہارے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ تا کہ وہ تمہیں تاریکیوں سے روشنی میں نکال لائے''۔

سورۃ الزمر آیت نمبر ۵۳ میں آتا ہے:

''اے نبی ﷺ! فرما دیجئے: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر

دیتا ہے۔ وہ تو غفور و رحیم ہے''۔

روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط اور خشک سالی کا دور دورہ تھا۔ جب کافی عرصہ باران رحمت نہ برسی تو حضرت موسیٰؑ رب سے ہم کلام ہوئے اور بارانِ رحمت نہ ہونے کی وجہ دریافت کی۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ اس بستی میں ایک بندہ بہت گنہگار ہے جس کے اعمال کی بدولت یہ سب کچھ ہے اور جب تک وہ یہاں موجود ہے یا جب تک نکل نہیں جاتا باران رحمت نہیں ہوگی۔ حضرت موسیٰؑ نے واپسی پر اپنی قوم کو سارا ماجرا سنایا اور ساتھ کہہ دیا کہ اپنا احتساب کرتے ہوئے جو بندہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ بہت گنہگار ہے وہ خود بستی چھوڑ کر چلا ئے جائے۔ دو تین دن گزر گئے بستی سے کوئی نہ نکلا دوبارہ جب حضرت موسیٰؑ واپس اپنی قوم کی طرف لوٹے اور اگلے دن تمام لوگوں کو ایک مقررہ جگہ جمع ہونے کو کہا جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو حضرت موسیٰؑ نے سارا ماجرا بستی کے لوگوں کو سنایا اور وحی کا انتظار کرنے لگے تاکہ نشان دہی ہونے کے بعد وہ اس گنہگار بندے کو بستی سے باہر نکال سکیں اتنے میں کیا ہوا کہ آسمان پر بادل نمودار ہوئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ لوگ اور حضرت موسیٰؑ بہت حیران ہوئے کہ جیسا حضرت موسیٰؑ کہہ رہے تھے ویسا تو نہیں ہوا نہ کسی کی نشاندہی کی گئی اور نہ کسی کو بستی سے نکالا گیا' اس کے باوجود باران رحمت شروع ہو گئی۔ اگلے دن جب حضرت موسیٰؑ رب سے ہم کلام ہوئے اور گزرے ہوئے کل کا ماجرا پوچھا تو رب العزت نے فرمایا جب تو نے بھرے مجمع میں لوگوں کو بتایا کہ آج اس گنہگار کی نشاندہی ہونی ہے تو اس بندے کو اپنے گناہوں پر بہت شرمندگی محسوس ہوئی۔ گناہوں پر ندامت اور تڑپتے دل کے ساتھ جب اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے' اس کی نظریں

آسمان کی طرف اٹھیں، اس کی زبان بے اختیار پکار اٹھی: اے عزتوں کے مالک! آج دنیا کے سامنے مجھے ذلیل ہونے سے بچا لے۔ میں صدق دل سے تیری طرف پلٹتا ہوں۔ اے موسیٰ! اپنے بندے کی ندامت کو دیکھتے ہوئے مجھے حیا آئی کہ میں اسے دنیا کے سامنے رسوا کروں چنانچہ میری رحمت نے جوش مارا اور میں نے تم پر باران رحمت کے دروازے کھول دیئے۔ موسیٰؑ نے کہا اے رب العزت! میں اس بندے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ ارشاد ہوا موسیٰؑ جب وہ گناہ گار تھا تو میں نے اس کی پردہ پوشی کی۔ اب جب وہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر میری طرف پلٹ آیا ہے اور میرا بن گیا ہے اب بھلا میں کیسے اُسے رسوا کروں گا۔

یہاں ایک مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ دوسروں کے گناہوں پر پردہ پوشی کرنا اللہ کی سنت ہے۔ اس لیے ترغیب دیتے ہوئے قرآن میں آتا ہے کہ تم دوسرے کے عیب چھپاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے عیبوں کی پردہ پوشی کرے گا۔

دوستو! دنیا والوں کا مشاہدہ ہے کہ جب آپ کا واسطہ کسی شریف النفس اور اعلیٰ ظرف بندے سے پڑے تو وہ نسبتاً رعایت ہی کرتا ہے۔ پھر ذرا تصور کریں کہ جب تمہارا معاملہ رب العزت کے پاس ہو، اس کے ظرف کو سوچیں۔ عقل اس کے ظرف کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ قرآن میں آتا ہے کہ اللہ کو کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ تم پر ظلم کرے جب کہ تم شکر گزار رہو۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۵۲ میں آتا ہے:

''تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا اور شکر ادا کرنا۔ اور دیکھو نعمتوں کا کفران نہ کرنا، شکر ادا کرنا جو میرا شکر ادا کرے گا، میں اسے اور دوں گا''۔

اسی طرح ایک اور مقام پر کہا گیا:

''ہمارا دستور یہ نہیں ہے کہ ہم اس بستی کو ہلاک کر دیں جب کہ اس میں

لوگ اپنے رب سے دعا گو ہوں' استغفار کرنے والے موجود ہوں' اللہ سے مانگنے والے موجود ہوں''۔(انفال:۳۳)

دوستو! اللہ سے مانگتے رہو خواہ بدحال ہو یا خوش حال۔ بلکہ یوں گویا ہوا کریں۔ اے پروردگار عالم! مجھ پر رزق کی کمی نہ کرنا کہ تجھے بھول جاؤں' اور بہتات بھی نہ کرنا کہ تیرا نافرمان بن جاؤں' کیونکہ جو کم ہو یا کافی' اس سے وہ بہتر ہے جو غافل نہ کرے۔ آمین!

......☆......☆......☆......☆......

باب چہارم

فاین تذھبون......؟

ابلیس کی خطرناک چال

ابلیس جس کا مطلب ہے ''انتہائی مایوس'' اصطلاح میں اس جن کا نام ہے جس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ یعنی بنی آدم کیلئے مطیع ہونے سے انکار کر دیا۔ جب زمین پہ اللہ انسان کو خلیفہ مقرر کرنے لگے تو کائنات کے اندر جتنے بھی فرشتے یا کارندے مامور تھے' ان کیلئے فرمان جاری ہوا کہ انسان جس کام میں بھی اپنے ان اختیارات کو جو ہم اسے عطا کر رہے ہیں' استعمال کرنا چاہے کر سکتا ہے' قطع نظر اس سے کہ وہ صحیح کام میں ان اختیارات کو استعمال کرتا ہے یا غلط کام میں' تمہیں اس کیلئے سازگاری کرنی ہوگی۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۳۴ میں آتا ہے: ''پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ تو سب جھک گئے مگر ابلیس نے انکار کیا۔ وہ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں پڑ گیا اور نافرمانوں میں شامل ہو گیا''۔

اب یہاں لفظ نافرمانوں پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً ابلیس سجدے سے انکار میں اکیلا نہیں تھا بلکہ جنات کی ایک جماعت نافرمانی پہ آمادہ ہوگئی تھی یا جنات کی ایک جماعت پہلے سے ایسی موجود تھی جو سرکش اور نافرمان تھی۔ جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

''جب فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس نے انکار کر دیا اور حقیقت میں وہ جنات میں سے تھا اس لیے رب کی اطاعت سے نکل گیا''۔ (الکہف: ۵۰)

یعنی فرشتوں کے مزاج میں تو انکار کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ وہ رب العزت کے ہر حکم کے پابند ہیں جبکہ انسان اور جنات کو اللہ تعالیٰ نے کچھ معاملات میں

آزادی دی ہے۔ ابلیس گو کہ جِنّ تھا لیکن وہ اپنی عبادت و ریاضت کی وجہ سے مقرب بارگاہ ایزدی ہوا اور فرشتوں کی جماعت میں شامل ہوا۔ دوسری صورت یہ کہ جنّی مخلوق اس وقت موجود تھی اس کے نمائندگان کو یعنی سرداروں کو لایا گیا اور ان سے حلف لیا گیا کہ انسان کے تابع ہوں گے۔ صرف جنات کے سردار ابلیس نے انسان کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ مٹی کا اور میں آگ کا' اس کی بادشاہت کو کیسے قبول کر لوں؟

اب جیسا کہ عام معاملات زندگی میں دیکھا گیا ہے کہ جب کسی پارٹی کا کوئی اعلیٰ عہدیدار اس پارٹی کو چھوڑتا ہے تو مخالفین کی جماعت یا پارٹی اسے اپنے ہاں کسی عہدے کی پیشکش کرتی ہے۔ بالکل اسی انداز پر جب ابلیس نے رب کے حکم سے بغاوت کی تو غالباً حزب اللہ سے باہر نکال دیا گیا۔ تو نافرمان جِنّ جو پہلے سے موجود تھے' انہوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہوگا اور اپنا سردار بنا لیا ہوگا۔

قرآن میں بالعموم ''شیاطین'' کا لفظ انہیں جِنّات اور ان کی ذرّیت یعنی نسل کیلئے استعمال ہوا ہے۔ شیطان عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے سرکش اور شوریدہ سر۔ انسان اور جِنّ دونوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے اگرچہ قرآن میں یہ لفظ زیادہ تر شیاطینِ جن کے لیے آیا ہے لیکن بعض مقامات پر شیطان صفت لیڈر انسانوں کیلئے بھی استعمال کیا گیا ہے جیسے سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۴ میں آتا ہے:

''جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں (بڑے بڑے کافر سرداروں) سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں اصل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ان لوگوں سے تو ہم محض مذاق کر رہے ہیں''۔

ان تمام شیطانوں کا سربراہ ابلیس ہے۔ جس نے اللہ سے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا۔ میں انہیں بہکاؤں گا' میں

انہیں آرزوؤں میں الجھاؤں گا۔ میں انہیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے خدائی ساخت میں ردوبدل کریں گے۔ اپنے اسی چیلنج کو پورا کرنے کیلئے نافرمانوں اور سرکشوں کا گروہ اب تک انسان کو گمراہ کرنے میں پیش پیش ہے۔

اب جو لوگ اللہ کی بجائے اس کو اپنا ولی اور سرپرست بناتے ہیں' وہ یقیناً صریح نقصان میں پڑ گئے۔ وہ ان لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے۔ مگر شیطان کے سارے وعدے بجز فریب کے اور کچھ نہیں اور انہیں لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے' جس سے خلاصی کی کوئی صورت یہ نہ پائیں گے۔ اب ہم قرآن سے رہنمائی لیتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ شیطان کی سب سے پہلی چال جو اس نے انسان کو فطرت انسانی کی سیدھی راہ سے ہٹانے کیلئے چلی' وہ یہ تھی کہ اس کے جذبہ شرم وحیاء پر ضرب لگاتے ہوئے اس کیلئے ہر قسم کی فحاشی کے دروازے کھولے اور اس کو جنسی معاملات میں بدراہ کر دیا۔ دوسرے لفظوں میں انسان کا کمزور ترین مقام جو اس نے حملہ کیلئے تلاش کیا' وہ اس کی زندگی کا جنسی پہلو تھا۔ شیاطین اور ان کے شاگردوں کی روش آج تک جوں کی توں قائم ہے۔ ''ترقی'' کا کوئی کام ان کے ہاں شروع نہیں ہو سکتا جب تک کہ عورت کو بے پردہ کر کے بازار میں نہ لا کھڑا کریں۔ رب العزت اپنے حکم اور شیطان کی پہلی چال سے آئندہ انسانیت کو خبردار کرتے ہوئے بڑے خوبصورت پیرائے میں سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۱ تا ۲۷ میں اس کا نقشہ یوں کھینچا:

''(اے انسان) ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتداء کی۔ پھر تمہاری صورت بنائی۔ پھر فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو۔ اس حکم پر سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ پوچھا ''تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا؟'' بولا ''میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے''۔ فرمایا:

”اچھا تو یہاں سے نیچے اتر تجھے حق نہیں ہے کہ یہاں بڑائی کا گھمنڈ کرے۔ نکل جا کہ درحقیقت تو ان لوگوں میں سے ہے جو خود اپنی ذلت چاہتے ہیں۔ بولا: ”مجھے اس دن تک مہلت دے جب کہ یہ سب دوبارہ اٹھائے جائیں گے“۔ فرمایا: ”تجھے مہلت ہے“۔ چنانچہ ابلیس کو قیامت تک کے لیے طویل عمر عطا کی گئی۔ ابلیس خون کی نالیوں میں دوڑتا ہے (صحیح بخاری) کیونکہ جن ہے اس لئے سریع الحرکت ہے۔ آزادیِ انتخاب کا خود بھی غلط استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو بھی غلط استعمال کے لیے ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ ابلیس قسم کھا کر رفتہ رفتہ آدم علیہ السلام کو اپنے ڈھب پر لے آیا۔ آخرکار جب انہوں نے اس درخت کا مزا چکھا تو ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور وہ اپنے جسموں کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے لگے۔ تب رب نے انہیں پکارا اور کہا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے“۔

پھر آگے چل کر جب اللہ نے ان کی توبہ قبول کی اور انہیں برگزیدہ کر لیا اور آئندہ شیطان کے شر سے بچنے کے لیے ایک واضح لائحہ عمل مرتب کرتے ہوئے رب العزت اولادِ آدم سے مخاطب ہوئے: ”اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر لباس نازل کیا کہ تمہارے جسم کے قابلِ شرم حصوں کو ڈھانپے اور تمہارے لیے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو۔ اور بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ اے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان پھر اسی فتنے میں تمہیں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھول دے۔ وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیاطین کو ہم نے ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا جو ایمان نہیں لائیں گے“۔

......☆......☆......☆......☆......

رب کیسے خوش ہوتا ہے؟

لفظ ''شکر'' کفر کی ضد ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے نعمت دی ہے انسان اس کا احسان مند ہو اور اس کے احسان کی قدر کرے۔ چونکہ شکر کے اصل معنی اعتراف نعمت یا احسان مندی کے ہیں اس لیے صحیح احسان مندانہ رویہ یہی ہوسکتا ہے کہ آدمی دل سے اس کے احسان کا اعتراف کرے' زبان سے اس کا اقرار کرے اور عمل سے احسان مندی کا ثبوت دے۔ انہی تینوں چیزوں کے مجموعے کا نام شکر ہے۔ اور ناشکرا پن ہماری زبان میں احسان فراموشی' نمک حرامی کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ناشکری کی ترغیب ہمیشہ ابلیس دیتا ہے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ ابلیس نے خدا کو جو سب سے پہلے چیلنج دیا تھا وہ کیا تھا؟

''اب میں بھی تیری سیدھی راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا۔ آگے اور پیچھے' دائیں اور بائیں ہر طرف سے ان کو گھیروں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا''۔ (سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۶ تا ۱۷)

شیطان نے جو مہلت رب سے مانگی' اس میں پورا زور لگا کر وہ یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ انسان اس مرتبے کا مستحق نہیں ہے جو آپ نے میرے مقابلے میں اسے عطا کیا ہے۔ وہ جھوٹی امیدوں' بدی اور وقتی لذتوں کو خوش نما بنا کر غلط راستوں کی طرف دعوت دے کر انسان کو رب کا ناشکرا' نمک حرام اور احسان فراموش ثابت کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فطرت کی ہر مانگ پوری کی' زندگی کی بقا اور ارتقاء کیلئے جو چیز ضرورت تھی' وہ سب فراہم کیں' تو اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ انسان اس احسان مندی پر رب کا شکر گزار ہوتا۔ لیکن

ناقدرے انسان نے رحمٰن کی بجائے شیطان کے چیلنج کو کامیاب بنانے کیلئے اپنی توانائیاں صرف کردیں۔انسان کی اس حرکت کا تذکرہ قرآن میں مختلف مقامات پر آتا ہے۔سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۳۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔اگر تم ان نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کرسکتے۔حقیقت یہ کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے''۔

سورۃ المومنون آیت نمبر ۷۸ میں آتا ہے:

''وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی قوتیں دیں اور سوچنے کو دل دیئے۔مگر تم لوگ کم ہی شکرگزار ہوتے ہو''۔

سورۃ یٰسین آیات نمبر ۳۴ تا ۳۵ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے اور اس کے اندر چشمے پھوڑ نکالے تاکہ یہ اس کے پھل کھائیں۔یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے۔پھر کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے؟''

مطلب یہ کہ بدنصیبو! یہ آنکھیں چشم بصیرت سے دیکھنے کیلئے دی گئی تھیں نہ کہ اندھے بن کر رہنے کیلئے۔کان گوش ہوش سے سننے کیلئے دیئے گئے تھے نہ کہ بہرے بن کر رہنے کیلئے۔یہ دل و دماغ تمہیں اس لیے دیئے گئے تھے کہ حقیقت کو سمجھو اور صحیح راہ فکر و عمل اختیار کرو۔کیا یہ ساری صلاحیتیں اس لیے دی تھیں کہ تم ان سے بس وہ کام لو جو حیوانات لیتے ہیں؟ کیا ان کا صرف یہی مصرف ہے کہ تم جانوروں کی طرح جسم اور نفس کے مطالبات پورے کرنے میں لگے رہو؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی ناشکری ہوسکتی ہے کہ تم بنائے تو گئے تھے انسان اور بن کے رہ گئے نرے حیوان؟ اور اس سے اونچے اٹھو تو اپنے خالق سے بغاوت کے فلسفے اور

پروگرام بنانے لگو۔ یہ بے شمار اور بیش قیمت نعمتیں خدا سے پانے کیلئے جب تم دہریت یا شرک اختیار کرتے ہو یا جب خود خدا یا دوسرے خداؤں کے بندے بنتے ہو' جب تم خواہشات کے غلام بن کر جسم و نفس کی لذتوں میں غرق ہو جاتے ہو تو گویا خدا سے یہ کہتے ہو کہ ہم ان نعمتوں کے لائق نہ تھے جو تو نے ہمیں دیں۔ تم اپنے اعمال سے شیطان کے قول اور چیلنج کو سچا ثابت کرتے ہو کہ تجھے ایک بندر' ایک بھیڑیا' ایک مگرمچھ یا ایک کوا بنانا چاہیے تھا۔ (تفہیم القرآن)

یہاں اس بات کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ شکر کا محتاج رب العزت نہیں ہے۔ اس کی خدائی میں کسی کی شکر گزاری سے نہ ذرہ برابر اضافہ ہوتا ہے اور نہ کسی کی ناشکری اور احسان فراموشی سے کوئی کمی آتی ہے۔ یہ تو محض شیطان کا چیلنج اور انسان کی آزمائش ہے۔ اب یہاں دو طرح کے انسان اور ان کی جزا اور سزا کا معاملہ آتا ہے۔ ایک وہ جو شیطان کا ساتھ دیتے ہیں اور دوسرے وہ جو رحمان کے حکم کی پیروی کرتے ہیں۔ پہلی طرز کے لوگوں کو دیکھنے کیلئے ہم سورۃ سبا آیت نمبر ۱۳ میں دیکھتے ہیں جہاں رب العزت آل داؤد سے مخاطب ہیں:

''اے آل داؤد! عمل کرو شکر کے طریقے پر۔ میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں''۔

آگے آیت نمبر ۱۵ تا ۱۷ میں آتا ہے:

''سبا کیلئے ان کے اپنے مسکن ہی میں ایک نشانی موجود تھی۔ وہ دو باغ دائیں اور بائیں۔ کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور شکر بجا لاؤ۔ اس کا ملک ہے عمدہ و پاکیزہ' اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا۔ مگر وہ منہ موڑ گئے۔ آخر کار ہم نے ان پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا اور ان کے پیچھے دو باغوں کی جگہ دو اور انہیں باغ

دیئے، جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ کے درخت اور کچھ تھوڑی سی بیریاں۔ یہ تھا ان کے کفر کا بدلہ جو ہم نے ان کو دیا۔ اور ناشکرے انسان کے سوا ایسا بدلہ ہم اور کسی کو نہیں دیتے''۔

یعنی کفر کے ساتھ شکر کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ جہاں کفر ہوگا وہاں شکر کا سرے سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے شکر اور ایمان لازم وملزوم ہیں اور جس شخص میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا کچھ بھی احساس ہو، وہ ایمان کے سوا کوئی دوسری راہ اختیار ہی نہیں کرتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ایک واقعہ ہے کہ آپ ایک دفعہ کوہ طور پر رب سے ہمکلام ہونے جارہے تھے کہ راستے میں ایک غریب شخص ملا اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ رب سے میرے متعلق دریافت کرنا اور میرے لیے رزق کی کشادگی کی درخواست بھی کرنا۔ تھوڑی آگے گئے تو ایک مالدار آدمی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ لسلام سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام رب سے کہنا کہ میرے پاس رزق کی اتنی بہتات ہے کہ کم ہونے کو نہیں آتا۔ میں اسے سنبھالنے پر آتا ہوں تو سنبھالا نہیں جاتا۔ رب سے درخواست کرنا کہ میرا رزق کم کردے۔

جب یہ معاملہ موسیٰ علیہ السلام نے رب کے ہاں پیش کیا تو رب العزت نے کہا کہ غریب کو کہنا میرا شکر کرے اور امیر کو کہنا کفر کرے۔ واپسی پر پھر وہی غریب ملا اپنے متعلق رب کا جواب پوچھا تو موسیٰ علیہ لسلام نے بتایا کہ رب نے کہا کہ میرا شکر کرو۔ وہ کہنے لگا ''اونہہ شکر کس چیز کا کروں اس نے مجھے دیا کیا ہے؟'' موسیٰ علیہ لسلام خاموشی سے آگے چل پڑے۔ کچھ آگے وہ مالدار آدمی ملتا ہے تو

موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بتایا کہ رب نے کہا کہ تو کفر کر یعنی میری ناشکری کر۔ وہ شخص بے اختیار بول اٹھا: ''پاک ہے پروردگار جس نے مجھے رزق دیا ہے۔ میں اس کی ناشکری کیوں کروں؟'' وقت کے نبی پر وحی نازل ہوئی: دیکھا موسیٰ! اب تو بتا کہ میں اس کے رزق کو کیسے کم کروں؟ میں تو اسے اور دوں گا اور جب تک میرا شکر ادا کرتا رہے گا' میں اسے نوازتا رہوں گا۔ اور جو ناشکرا ہے' اسے کہو کہ وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے''۔

اس سیاق وسباق میں ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ انسان کو اللہ کی طرف سے نعمتیں پانے کے بعد آپے سے باہر نہیں ہونا چاہیے۔ جب شیطان اسے یہ باور کراتا ہے کہ یہ سب کچھ تمہیں تمہاری صلاحیتوں کی وجہ سے ملا ہے تو انسان اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر شیطان کے مکروفریب میں اپنی خوش حالی پر پھولے نہیں سماتا۔ وہ اس خدا کو بھول جاتا ہے جس نے یہ سب کچھ اسے عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ چونکہ انسان سے محبت کرتا ہے لہٰذا مثالوں سے انسان کو سمجھاتا ہے کہ جنہوں نے ترقی وعروج پا کر نافرمانی کی روش اختیار کی' وہ اپنے انجام بد سے دوچار ہو کر رہے۔

کچھ اس طرح کا انداز سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۶۷ میں ملتا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمہارے حال پر نہایت مہربان ہے۔ جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو ایک خدا کے سوا دوسرے جن جن کو تم پکارا کرتے ہو' وہ سب گم ہو جاتے ہیں۔ مگر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے منہ موڑ جاتے ہو۔ انسان واقعی بڑا ناشکرا ہے۔ اور کیا تمہیں اس کا کوئی اندیشہ نہیں کہ

خدا پھر کسی وقت سمندر میں تم کو لے جائے اور تمہاری ناشکری کے بدلے سخت طوفانی ہوا بھیج کر تمہیں غرق کر دے''۔

سورۃ الزمر آیت نمبر ۷ میں آتا ہے:

''اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے۔ لیکن وہ اپنے بندوں کیلئے کفر پسند نہیں کرتا۔ اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمہارے لیے پسند کرتا ہے''۔

سورۃ النساء آیت نمبر ۱۴۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ سزا دے' اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلو۔ اللہ بڑا اقدردان اور سب کے حال سے واقف ہے''۔

اسی طرح سورۃ یونس آیت نمبر ۶۰ میں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربانی کی نظر رکھتا ہے۔ مگر اکثر انسان ایسے ہیں جو شکر نہیں کرتے''۔

آگے چل کر سورۃ ابراہیم آیت نمبر 7 میں کہا:

''اور یاد رکھو تمہارے رب نے تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا''۔

سارے جہانوں کا بادشاہ حقیقی بڑے پیارے انداز میں سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۵۲ میں اپنے بندوں سے مخاطب ہے:

''تم مجھے یاد رکھو' میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ اور دیکھنا میری نعمتوں کا شکر ادا

کرنا اور کفران نہ کرنا'''۔

یعنی اس کی نعمتوں کا حق پہچانتے ہوئے' اس کا مطیع اور فرمانبردار بنتے ہوئے' انسان ابلیس کے چیلنج کو جب ٹھیس پہنچاتا ہے تو رب خوش ہوتا ہے اور رب کی وہ بات سچ ہوتی ہے جو اس نے ابلیس کے چیلنج پر اسے کہی تھی کہ جو میرے بندے ہونگے ان پر ہرگز تیرا زور نہیں چلے گا۔ اپنے بندے کی اس بات پر رب خوش ہو کر اس کیلئے اپنی رحمت و بخشش اور رزق کے خزانے کھول دیتا ہے۔

......☆......☆......☆......☆......

خالق ومخلوق کا ایک دوسرے پہ حق

''سورۃ البقرہ'' کی آخری آیات جس میں دینے والا ربّ کریم خود ہی جب مانگنے کا ڈھنگ بتائے تو ملنے کا یقین آپ ہی آپ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ دعا مسلمانوں کیلئے غیر معمولی تسکین قلب کا ذریعہ بنی۔ حضور اکرم ﷺ نے خاص طور پر اس دعا کے اہتمام کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ رب العزت سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۸۶ میں فرماتے ہیں! اے ایمان لانے والوتم یوں دعا کیا کرو:

''اے ہمارے رب ! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان کا مواخذہ نہ کرنا۔ مالک ! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے۔ پروردگار! جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں وہ ہم پر نہ رکھ۔ ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا مولا ہے۔ کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما''۔

اب اس دعا کے تین الفاظ، واعف عنا، واغفرلنا اور وارحمنا پر باری باری غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ''واعف عنا'' عربی زبان کے لفظ ''عفا/ یعفو'' سے آیا جس کا مطلب ہے ''سرے سے معاف کر دینا'' یعنی مکمل ختم کر دینا جبکہ دوسرے لفظ ''واغفرلنا'' عربی زبان کے لفظ ''غفر/ یغفر'' سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے ''ڈھانپ لینا'' اور تیسرا ''وارحمنا'' رحمت، رحیم یا رحمان کی صفت سے آیا ہے۔ پروردگار عالم خود سکھلا رہا ہے کہ میرے بندے مجھ سے یوں مانگ، مجھ سے یوں درخواست کر کہ اے اللہ! میرے سارے کے سارے گناہ معاف کر دے اور اس طرح معاف کر دے کہ ایک گناہ بھی باقی نہ رہے۔ اور اگر وہ اتنے زیادہ

ہیں کہ سارے کے سارے معاف کرنا ممکن نہیں تو پھر ان کو ڈھانپ دے اور پھر آخر میں کہا کہ اگر سارے معاف بھی نہیں ہو سکتے نہ ہی سارے ڈھانپے جا سکتے تو پھر میں تیری رحمت کی طرف رجوع کرتا ہوں کیونکہ تو نے خود فرمایا کہ میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے: "لا تقنطوا من رحمة الله"۔

رب کہتا ہے' دیکھنا میری رحمت سے نا امید مت ہونا۔ جب سارے ذریعے ختم ہو جائیں تو میری رحمت و بخشش کا دروازہ پھر بھی کھلا رہتا ہے۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذرہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر
از نگاہ مصطفیٰؐ پنہاں بگیر

''تو غنی'' یعنی تو بے نیاز ''از ہر دو عالم'' دونوں جہانوں سے اور میں فقیر میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ نہ نیک اعمال' نہ کوئی تیرے دین کیلئے بڑی قربانیاں۔ اب چونکہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے لہٰذا روزِ محشر میں تیرے سامنے بے شمار عذر پیش کروں گا۔ ''گر تو می بینی حسابم ناگزیر'' اور اگر تو نے دیکھا کہ نہیں حساب لینا ضروری ہے اور گناہ اس قدر ہیں کہ عذر کے طور پر جو بہانے پیش کر رہا ہے وہ ناکافی ہیں تو مالک اتنا ضرور کرنا کہ میرے گناہوں کو میرے نبی ﷺ کی نگاہ سے چھپا لینا۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تیرے بھرے دربار میں میرے پیارے نبی ﷺ کو مجھ جیسے بدکار اُمتی کی وجہ سے شرم ساری ہو۔ اور رسول ﷺ کے سامنے میری تحقیر ہو۔

جب انسان اتنی عاجزی وانکساری سے اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے

رب کی رحمت کو پکارتا ہے تو اس کی رحمت فوراً متوجہ ہوتی ہے۔ حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے، جس میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: جب کسی انسان کا اشیاء خورد و نوش سے لدا ہوا اونٹ صحرا میں گم ہو جائے، وہ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک ہار کر بیٹھ جائے اور اسے بھوک اور پیاس سے موت سامنے نظر آ رہی ہو کہ اچانک اس کا اونٹ اسے سامان سمیت مل جائے تو اس کو کتنی خوشی ہو گی۔ اس سے ستر گنا خوشی رب العزت کو اس وقت ہوتی ہے جب اس کا گناہ گار بندہ اس کی طرف پلٹتا ہے۔ (مسلم: ۸۔۹۳)

ے تو میرا خالق میں تیرا بندہ میرے مقدر کا تو لکھاری
بڑی محبت ہے تجھ کو مجھ سے تو پھر یہ حق و حساب کیسا؟

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ رب کی محبت ستر ماؤں کی محبت سے زیادہ ہے۔ ذرا تصور کریں ایک ماں کی محبت کا۔ بیٹا چاہے کتنا ہی بدکار، گناہ گار اور آوارہ ہو جب شام کو گھر لوٹتا ہے تو ماں کے دل کو سکون ملتا ہے کہ چلو جیسا بھی ہے واپس گھر تو آ گیا ہے۔ اب ذرا تصور کریں اس خدا کی محبت کا جس کی محبت ستر ماؤں سے زیادہ ہے۔ جب اس کا بندہ پلٹ کر اس کی طرف واپس آئے گا تو اسے کتنی خوشی ہو گی؟

ے موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اگر کسی بندے کو یہ پتا چل جائے کہ اس کا رب اس سے کتنی محبت کرتا ہے تو اس کے سارے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔ چاہے وہ مسئلہ رزق کا ہو، دنیاوی ہو یا دینی، اس کی تمام گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔ اب رب خود مانگنا سکھلا رہا ہے تو بندے کا بھی کچھ حق ہے۔ جو انسان اپنے رب سے پیار کا بندھن باندھے وہ ریاضی کے مشہور استاد

''دل'' کا یہ شعر ضرور ذہن نشین رکھے۔

؎ مبنی جو غرض پہ ہو وہ الفت کیسی
جنت کی ہوس ہو تو عبادت کیسی
کرتا ہے تو کر حق سے محبت بے لوث
بازار محبت میں تجارت کیسی

جب عشق و محبت اور رب سے تعلق کی یہ کیفیت انسان پیدا کرتا ہے تو مولانا محمد علی جوہرؒ فرماتے ہیں۔

؎ کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہو مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

کچھ لوگ اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ انہیں جنت مل جائے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو دوزخ کے ڈر سے عبادت کرتے ہیں لیکن عزیمت کا رستہ ان لوگوں کا ہے جو یہ سوچتے ہیں کہ چاہے ہمیں جنت میں رکھ یا دوزخ میں' بس تو ہم سے راضی ہو جا۔ ایسے لوگوں کو یقیناً اللہ تعالیٰ دہرا اجر عطا کریں گے۔

؎ ہر رنگ میں راضی برضا ہو تو دیکھ
دنیا میں ہی بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

روایات میں آیا ہے کہ جب قارون اپنے خزانوں کے ساتھ زمین میں دھنس رہا تھا تو حضرت موسیٰؑ پاس کھڑے دیکھ رہے تھے۔ قارون کہہ رہا تھا: موسیٰ علیہ السلام مجھے معاف کر دو اور موسیٰ علیہ السلام جواب دیتے اور دھنسو۔ وہ

برابر موسیٰ علیہ السلام سے معافی مانگتا اور منتیں کرتا رہا مگر حضرت موسیٰؑ نے معاف کرنے سے انکار کر دیا اور مسلسل کہتے رہے کہ اور دھنسو اور دھنسو۔ کہتے ہیں جب وہ پورا زمین میں دھنس گیا تو رب کریم نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ بڑا سخت ہے تیرا دل' تو نے اُسے معاف نہ کیا۔ مجھے میری عزت کی قسم! اگر ایک دفعہ بھی مجھ سے معافی مانگتا تو میں اسے معاف کر دیتا۔

حدیث معاذؓ میں ہے۔ فرمایا:

''معاذ! کیا تمھیں پتا ہے رب کا بندے پہ کیا حق ہے؟ عرض کی خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا رب کا حق یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کی جائے''۔ پھر ایک اور جگہ فرمایا:

''بندے کا رب پہ حق یہ ہے کہ جب وہ اس سے معافی مانگے تو وہ معاف کر دے''۔ (مسلم: ۱۔۴۴)

......☆......☆......☆......☆......

حقیقتِ دنیا قرآن کی نظر سے

عربی زبان کا لفظ دنیا جس کا ماخذ اردو میں ادنیٰ اور جس کا مطلب حقیر چیز ہے۔ اتنی حقیر کہ اس کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ لفظ دنیا کا دوسرا مطلب قرآن کی زبان میں جلدی مل جانے والی قریبی چیز ہے اور آخرت 'آخرہ' سے ہے جس کے معانی دور یا دیر سے ملنے والی چیز کے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا بنایا اسی طرح دنیا کا جوڑا آخرت کو بنایا۔

انسان نادان نے اس حقیر اور جلدی مل جانے والی تھوڑی سی لذتوں اور منفعتوں کی خاطر اپنی ابدی اور مستقل ملنے والی لذتوں اور آسائشوں کو خراب کر کے جس حماقت کا ارتکاب کیا اور جس کی محبت پر اس نے خدا اور اس کے دین کی محبت کو نظر انداز کیا' قرآن بڑے خوبصورت انداز میں اس کا تذکرہ کرتا ہے:

''جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی سی ہے جسے ایک طوفانی دن کی آندھی نے اڑا دیا ہو۔ وہ اپنے کیے کا کچھ بھی پھل نہ پا سکیں گے۔ یہی پرلے درجے کی گم گشتگی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے آسمان و زمین کی تخلیق کو حق پر قائم کیا۔ وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور ایک نئی خلقت تمہاری جگہ لے آئے۔ ایسا کرنا اس کے لیے کچھ بھی دشوار نہیں ہے (ابراہیم: ۲۰-۱۸)۔ اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جو وعدے تم سے کیے تھے' وہ سب سچے تھے۔ اور میں نے جتنے وعدے کیے' ان میں سے کوئی بھی پورا نہ کیا۔ میرا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ اب مجھے ملامت نہ کرو۔ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ یہاں نہ

میں تمہاری دادرسی کر سکتا ہوں نہ تم میری فریادرسی۔ اس سے پہلے جو تم نے مجھے خدائی میں شریک بنا رکھا تھا میں اس سے بری الذمہ ہوں۔ ایسے ظالموں کے لیے تو دردناک سزا یقینی ہے۔ بخلاف اس کے جو دنیا میں ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے' وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں اپنے رب کے اذن سے ہمیشہ رہیں گے اور وہاں ان کا استقبال سلامتی کی مبارکباد سے ہوگا''۔ (ابراہیم :۲۳۔۲۲)

التوبہ آیت نمبر ۳۸: ''کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے۔ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا''۔

التوبہ آیت نمبر ۵۵: ''ان کے مال و دولت اور ان کی کثرت اولاد دیکھ کر دھوکہ نہ کھاؤ۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعہ سے ان کی دنیا کی زندگی میں مبتلائے عذاب کرے اور یہ جان بھی دیں تو انکارِ حق کی حالت میں''۔

التوبہ آیت نمبر ۶۹: ''تم لوگوں کے رنگ ڈھنگ وہی ہیں جو تمہارے پیش رووں کے تھے۔ پھر انہوں نے دنیا میں اپنے حصے کے مزے لوٹ لیے اور تم نے بھی اپنے حصے کے مزے اسی طرح لوٹے جیسے انہوں نے لوٹے تھے اور ویسی ہی بحثوں میں تم بھی پڑے جیسی بحثوں میں وہ پڑے تھے۔ سو ان کا انجام یہ ہوا کہ دنیا اور آخرت میں ان کا سب کیا دھرا ضائع ہو گیا اور وہی خسارے میں ہیں''۔

التوبہ آیت نمبر ۸۵: ''ان کی مالداری اور کثرت اولاد تم کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ اللہ نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ اس مال و اولاد کے ذریعے سے ان کو اسی دنیا میں سزا دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں''۔

یونس آیت نمبر ۷ تا ۸: ''حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں، اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں، ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ ان برائیوں کی پاداش میں جن کا ارتکاب کرتے ہیں''۔

یونس آیت نمبر ۲۴: ''دنیا کی یہ زندگی (جس کے نشے میں مست ہو کر تم ہماری نشانیوں سے غفلت برت رہے ہو) اس کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا تو زمین کی پیداوار خوب گھنی ہوگئی پھر عین وقت پر جب کہ زمین اپنی بہار پر تھی اور کھیتیاں بنی سنوری کھڑی تھیں اور ان کے مالک سمجھ رہے تھے کہ اب ہم ان سے فائدہ اٹھانے پر قادر ہیں، یکایک رات کو یا دن کو، ہمارا حکم آ گیا اور ہم نے ایسا غارت کر کے رکھ دیا کہ گویا کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اس طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کیلئے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں''۔

یونس آیت نمبر ۴۵: ''آج یہ دنیا کی زندگی میں مست ہیں اور جس روز اللہ ان کو اکٹھا کرے گا تو یہی دنیا کی زندگی انہیں ایسی محسوس ہوگی گویا یہ محض ایک گھڑی بھر آپس میں جان پہچان کرنے ٹھہرے تھے۔ اس وقت تحقیق ہو جائے گی کہ فی الواقع سخت گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا''۔

ہود آیت نمبر ۱۵ تا ۱۶: ''جو لوگ بس دنیا کی زندگی اور اس کی خوش غایتوں کے طالب ہوتے ہیں۔ ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی مگر آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے آگ کے سوا کچھ نہیں۔ (وہاں معلوم ہوگا) جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ملیامیٹ ہو گیا اور اب ان کا کیا دھرا سب باطل ہے''۔

الرعد آیت نمبر ۲۶: ''اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراوانی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا رزق دیتا ہے۔ یہ لوگ دنیوی زندگی میں مگن ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں متاعِ قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں''۔

ابراہیم آیت نمبر ۳: ''جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں' جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روک رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ راستہ ٹیڑھا ہو جائے یہ لوگ گمراہی میں بہت دور نکل گئے''۔

النحل آیت نمبر ۱۰۶ تا ۱۰۷: ''جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر) مگر جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا' اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا اور اللہ کا قاعدہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو راہ نجات نہیں دکھاتا جو اس کی نعمت کا کفران کریں''۔

طٰہٰ آیت نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۴: ''آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ دنیا میں مشکل ہی سے تم نے کوئی دس دن گزارے ہوں گے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہ کیا باتیں کر رہے ہوں گے۔ اس وقت ان میں سے جو زیادہ سے زیادہ محتاط اندازہ لگانے والا ہوگا' وہ کہے گا کہ نہیں تمہاری دنیا کی زندگی بس ایک دن کی زندگی تھی''۔

طٰہٰ آیت نمبر ۱۲۴: ''اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی (کروڑ پتی بھی ہوگا تو بے چین رہے گا) ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا اٹھائیں گے''۔

طٰہٰ آیت نمبر ۱۳۱: ''اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو دنیوی زندگی کی اس شان

وشوکت کو جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے۔ وہ تو ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے دی ہے۔ اور تیرے رب کا دیا ہوا رزق حلال ہی بہتر اور پائیدار ہے''۔

الانبیاء آیت نمبر ۳۵: ''ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں۔ آخرکار تمہیں ہماری طرف ہی پلٹنا ہے''۔

المومنون آیت نمبر ۱۱۲ تا ۱۱۳: ''پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا۔ بتاؤ زمین میں تم کتنے سال رہے' وہ کہیں گے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ہم وہاں ٹھہرے ہیں' شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے''۔

المومن آیت نمبر ۳۹: ''اے قوم! یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے ہمیشہ کے قیام کی جگہ آخرت ہی ہے''۔

العنکبوت آیت نمبر ۶۴: ''اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوٴ۔ اصل زندگی کا گھر تو دارآخرت ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے''۔

الروم آیت نمبر ۷: ''لوگ دنیا کی زندگی کا بس ظاہری پہلو جانتے ہیں اور آخرت سے وہ لوگ خود ہی غافل ہیں''۔

الروم آیت نمبر ۵۵: ''اور جب وہ ساعت برپا ہوگی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے ہیں۔ اسی طرح وہ دنیا کی زندگی میں دھوکہ کھایا کرتے تھے''۔

الجاثیہ آیت نمبر ۱۰: ''ان کے آگے جہنم ہے۔ جو کچھ بھی انہوں نے دنیا میں کمایا ہے' اس میں سے کوئی چیز ان کے کسی کام نہ آئے گی۔ نہ ان کے وہ

سرپرست ہی ان کیلئے کچھ کرسکیں گے جنہیں اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے اپنا ولی بنا رکھا ہے۔ان کیلئے بڑا عذاب ہے''۔

الجاثیہ آیت نمبر ۳۵: ''یہ تمہارا انجام اس لیے ہوا کہ تم نے اللہ کی آیات کا مذاق بنا لیا تھا اور تمہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا۔لہٰذا آج نہ یہ لوگ دوزخ سے نکالیں جائیں گے اور نہ ان سے کہا جائے گا کہ معافی مانگ کر اپنے رب کو راضی کرلو''۔

......☆......☆......☆......☆......

حقیقتِ دنیا احادیث کی نظر سے

فارسی میں ایک مقولہ ہے:

در پے دنیا دیں ہم رفت
نہ ایں ہم رفت نہ آں ہم رفت

''دنیا کے پیچھے پڑے دین ہم سے چلا گیا نہ دین ملا نہ دنیا''۔

دنیا کے بارے میں چیدہ چیدہ احادیث قارئین کرام کے پیش خدمت ہیں۔

(۱)

حضرت عمرو بن عوفؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''میں تم پر فقر و ناداری آنے سے نہیں ڈرتا۔ بلکہ مجھے تمہارے بارے میں یہ ڈر ہے کہ دنیا تم پر وسیع کر دی جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کی گئی' پھر تم اس کو بہت چاہنے لگو جیسے کہ انہوں نے اس کو بہت چاہا' پھر وہ تمہیں ایسے برباد کر دے جیسے کہ اس نے اگلوں کو برباد کیا''۔(بخاری:۳۔۱۱۵۲، رقم الحدیث:۲۹۸۸)

(۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے میرے دونوں کندھوں کو پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے تو پردیسی ہے یا راستہ پار کرنے والا (عابر)۔(بخاری:۵۔۳۲۵۸، رقم الحدیث:۶۰۵۳)

(۳)

حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

''بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوان رہتا ہے۔ ایک تو دنیا کی محبت اور دوسری لمبی لمبی تمنائیں''۔ (بخاری: ۵۔۲۳۶۰، رقم الحدیث: ۶۰۵۷)

(۴)

حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ سن لو اور یاد رکھو! دنیا ایک عارضی اور وقتی سودا ہے جو فی الوقت حاضر اور نقد ہے۔ اس میں ہر نیک و بد کا حصہ ہے اور اس سے کھاتے ہیں اور یاد رکھو آخرت مقرر وقت پر آنے والی ایک سچی اٹل حقیقت ہے۔ اور سب قدرت رکھنے والا شہنشاہ اس میں فیصلہ کرے گا کہ ساری خیر اور خوش گواری جنت میں ہے اور سارا شر اور دکھ اور اس کی تمام قسمیں دوزخ میں ہیں۔ پس خبردار اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین کرو جس شخص نے ذرا برابر نیکی کی ہوگی' وہ اس کو بھی دیکھ لے گا اور جس نے ذرا برابر برائی کی ہوگی' وہ اس کو بھی پالے گا۔ (بخاری: ۱۔۷۶)

(۵)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر بکری کے ایک مردہ بچے پر ہوا جو راستے میں مرا پڑا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ جو صحابہؓ تھے ان سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس مرے ہوئے بچے کو ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم تو اس کو کسی قیمت پر بھی خریدنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم' دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے جتنا ذلیل اور حقیر تمہارے نزدیک یہ مردہ بچہ۔

(۶)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (مسلم: ۸۔۲۱۰، ترمذی: ۴۔۵۶۲)

(۷)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندہ کہتا ہے میرا مال' میرا مال۔ حالانکہ اس کے مال میں سے جو واقعی اس کا ہے' وہ بس تین صورتیں ہیں: پہلی وہ جو اس نے کھا کر ختم کر دیا۔ دوسرے وہ جو پہن کر پرانا کر ڈالا۔ اور تیسرے وہ جو اس نے راہ خدا میں دیا اور اپنی آخرت کے واسطے ذخیرہ کر لیا۔ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ یہاں سے ایک دن رخصت ہو کر دوسروں کے لیے چھوڑ جانے والا ہے۔

(۸)

حضرت سہیلؓ بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک دنیا کی قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی منکر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ (ترمذی: ۴۔۵۶۰)

(۹)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار! دنیا اور جو کچھ اس میں ہے' اس پر خدا کی پھٹکار ہے اور اس کے لیے رحمت سے محرومی ہے' سوائے خدا کی یاد کے اور ان چیزوں کے جن کا خدا سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے اور سوائے عالم اور طالب علم کے۔

(۱۰)

حضرت قتادہ بن نعمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے اس کو اس طرح پرہیز کراتا ہے کہ جس طرح تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے جبکہ اس کو پانی سے نقصان پہنچتا ہو"۔ (ترمذی: ۴۔۳۸۱)

(۱۱)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کی نیت اور اس کا مقصد اصلی اپنی سعی و عمل سے آخرت کی طلب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اطمینان نصیب فرمادیں گے اور دنیا اس کے پاس خود بخود ذلیل ہو کر آئے گی۔ اور جس شخص کی نیت اور اپنی سعی و عمل سے جس کا خاص مقصد دنیا طلب کرنا ہوگا' اللہ تعالیٰ محتاجی کے آثار اس کی بیچ پیشانی میں اور اس کے چہرے پر پیدا کردیں گے اور اس کے حال کو پراگندہ کردیں گے (اس کو کبھی اطمینان نصیب نہ ہوگا)۔ اور یہ دنیا بس اس قدر ہی اسے ملے گی جس قدر اس کے واسطے پہلے سے مقدر ہو چکی ہوگی۔ (ترمذی: ۴۔۶۴۲)

(۱۲)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابل رشک میرے نزدیک وہ مومن ہے جو دنیا کے ساز وسامان اور مال وعیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا ہو۔ نماز میں اس کا بڑا حصہ ہو اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ کرتا ہو اور اطاعت اس کا شعار ہو۔ اور یہ سب وہ تنہائی میں اور چھپ کر کرتا ہو۔ اس کی روزی بھی بقدر ضرورت ہو اور وہ اس پر صابر ہو۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جلدی آگئی اس کی موت اور اس پر رونے والیا

ں بھی کم ہیں اور اس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا سا ہے۔ یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے چٹکی بجائی (جیسے کسی چیز کے فوراً ہو جانے پر اظہار حیرت ہو)۔(ترمذی:۴۔۵۷۵)

(۱۳)

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا۔ اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا پس فنا ہو جانے والی دنیا کے مقابلہ میں باقی رہنے والی آخرت اختیار کرو''۔

(۱۴)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا:
''کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے اور اس کے پاؤں نہ بھیگیں؟ عرض کیا گیا حضرت ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح دنیا دار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا''۔ (شعب الایمان:۷۔۳۲۳)

(۱۵)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان میں سب سے زیادہ ڈر دو چیزوں کا ہے' ایک دین و مذہب کے بارے میں اپنے نفس کے رجحانات اور خیالات کی پیروی اور دوسرا دنیا کے بارے میں لمبی لمبی آرزوئیں دل میں پرورش کی جائیں۔ پہلی چیز انسان کو قبول حق سے محروم کرتی ہے اور دوسری کی وجہ سے انسان آخرت کو بھلا دیتا ہے اور اس کی تیاری سے غافل رہتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دنیا لمحہ بہ لمحہ گزر رہی ہے اور آخرت چلی آ رہی ہے۔ انسانوں میں کچھ وہ ہیں جو دنیا سے ایسی وابستگی رکھتے ہیں جیسی بچوں کو اپنی ماں

سے ہوتی ہے۔ اور کچھ ایسے ہیں جن کی رغبت آخرت سے ہے۔ پس اے لوگو! اگر تم کر سکو تو ایسا کرو کہ دنیا سے چمٹنے والے نہ بنو۔ تم اس وقت دار العمل میں ہو۔ یہاں حساب اور جزا و سزا نہیں ہے اور کل تم روز آخرت میں پہنچ جانے والے ہو اور وہاں کوئی عمل نہ ہوگا۔ (شعب الایمان: ۷۔۳۷۰)

جو بندگان خدا اس دنیا میں غریبی اور فقر و فاقہ کی زندگی گزار چکے ہیں، اگر وہ ان احادیث کو اپنے حق میں نعمت سمجھ کر صابر و شاکر بن کر رہیں تو بعید نہیں کہ یہ مصائب، تنگ دستی اور ناداری ہی ان کے لیے اطمینان قلب بن جائے اور جس کو یہ دولت مل گئی، اس کو آخرت میں خدا کے حضور بہت مختصر حساب دینا ہوگا۔

......☆......☆......☆......☆......

باب پنجم

سجی بزم تیری یادوں کی

ایک فرد جو خود اپنی ذات میں انجمن تھا

ے جب یار نے رخت سفر باندھا
کب ضبط کا یارا اس دن تھا
ہر درد نے دل کو سہلایا
کیا حال ہمارا اس دن تھا

آہ! ۱۵ مارچ ۲۰۰۴ء منگل کے روز صبح کے وقت ہمارے نہایت ہی شفیق استادِ مکرم پروفیسر ابو عبید فیض محمد دارِ فانی سے کوچ فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون o

استادِ محترم کے ہونٹوں پہ کھلی رہنے والی مسکراہٹ' ذہن کی گلفشانی اور خیال کے اخلاص نے انہیں ایک ایسی عطر بار شخصیت بنا دیا تھا جس کی کوئی نظیر نہ تھی۔ فیض صاحب اس چھتناور درخت کی مانند تھے جو لوگوں کو گرمی میں کڑی دھوپ سے بچاتا ہے' بارش میں بھیگنے سے تحفظ دیتا ہے' اولے گریں تو سائبان کی صورت تن جاتا ہے اور جب طوفان آئے تو طوفان میں رکاوٹ کا کام دیتا ہے۔ نامساعد حالات کا مقابلہ کرتے کرتے کبھی یہ شجر بے بس بھی ہو جائے تو پھسل کر سیلاب کی نذر ہونے والے انسان وحیوان کو سہارا دے کر کنارے تک لے آتا ہے۔ یوں وہ خود زندگی کی بازی ہارتے ہوئے دوسروں کی حیات کا باعث بنتا ہے۔ آج جب یہ شجر گرا تو اس کے ''خانۂ ریاضی'' کی شاخوں پہ آشیاں بند طائرانِ ریاضی بے اماں ہو کے نوحہ کناں ہیں:

ع چڑیوں کو بڑا پیار تھا اس بوڑھے شجر سے

تحصیل جنڈ ضلع اٹک کے ایک پسماندہ گاؤں پنڈی سرال کے رہنے والے فیض صاحب' نہ صرف اپنے کیریئر میں اوّل تا آخر فرسٹ ڈویژنر تھے بلکہ صدارتی ایوارڈ یافتہ بھی تھے۔ گولڈ میڈلسٹ ہونے کی وجہ سے آپ کو پی ایچ ڈی کے لیے مانچسٹر کا سکالر شپ بھی ملا لیکن بہن بھائیوں اور قریبی طلبہ کی تعلیمی سرپرستی کے احساس کے زیر اثر آپ نے جانا قبول نہیں کیا۔ اسی جذبے کے تحت بعدازاں آپ نے اصغر مال کالج راولپنڈی کو نرسری کے طور پر استعمال کرتے ہوئے جو ننھے منھے پودے لگائے آج وہ تناور درخت بن کر اپنے سایۂ علمی سے ایک دنیا کو فیض یاب کر رہے ہیں۔ پچیس (۲۵) پی ایچ ڈیز کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں جن کو Inspiration پروفیسر فیض صاحب کی ذات سے ملی۔ فیض صاحب درحقیقت اسم بامسمّٰی اور اپنے طلبہ کے لیے ''تحرک کا مستقل سر چشمہ'' Distinct Source of Motivation تھے۔

لفظ فیض کی اس سے بہتر صورت اور کیا ہو سکتی ہے۔

آپ اپنے طلبہ کو نہ صرف مقررہ نصاب ہی پڑھاتے بلکہ ان کی اخلاقی تربیت کا بھی اہتمام کرتے۔ آپ اکثر طلبہ سے فرماتے کہ دوسروں سے کم سے کم توقعات وابستہ رکھیں۔ زندگی کے معاملات میں ہمیشہ عزیمت کا راستہ اختیار کریں۔ عبادات کی نسبت معاملات کا حساب سخت ہوگا' لہٰذا معاملات میں راست باز رہیں۔ دوسروں کو سننے کی عادت ڈالیں۔ دوست احباب میں کھلے دل سے خرچ کریں۔ خود تجربے کرنے کی بجائے دوسروں کی غلطیوں سے سبق حاصل کریں۔ غرض یہ کہ آپ کی زندگی اپنے طلبہ کے لیے ہمیشہ ایک رہنما کتاب رہی۔ جب کبھی کسی کو زندگی کے کسی بھی پہلو پر کوئی الجھن محسوس ہوئی'

اسے اس کتاب سے باآسانی ایک حل شدہ مثال مل گئی۔

دفتر ہستی میں تھی زریں ورق' تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق' تیری حیات

بقول پروفیسر ڈاکٹر سلیم اصغر' صدر شعبہ ریاضی' قائداعظم یونیورسٹی' اسلام آباد:

''فیض ایک انسان نہیں' ایک ادارہ تھا جو بھی اس کی صحبت میں گیا اس نے فیض پایا''۔

اپنے ہی نہیں غیر بھی ان کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔ مجید مرزا خاندان کے پانچ بھائی جو سب کے سب پی ایچ ڈیز ہیں۔ ان میں سے ایک نے جب امریکہ سے پی ایچ ڈی مکمل کی تو اپنے مقالے میں پروفیسر فیض صاحب کو بھرپور انداز میں خراج تحسین پیش کیا تو امریکن پروفیسر نے حیران ہو کر پوچھا یہ فیض کون ہے؟ کیونکہ جو بھی پاکستان سے ریاضی/فزکس/الیکٹرونکس/کمپیوٹر میں پی ایچ ڈی کرنے آتا ہے اس کا نام ضرور لیتا ہے۔ میری شدید خواہش ہے کہ اگر کبھی مجھے پاکستان جانے کا اتفاق ہو تو میں اس شخص سے ضرور ملوں۔

دنیاوی جاہ و حشم سے گریز اور فقیری آپ کی ذات کا ایک خصوصی وصف تھا اور آپ اس وصف کی ترسیل کے قائل بھی تھے۔

ہم فقیروں سے دوستی کر لو
گُر سکھا دیں گے بادشاہی کے

آپ کہا کرتے تھے: ''استاد پیدا ہو جائے تو پھر نہ اس کی پنشن ہوتی ہے اور نہ وہ طبعی موت سے فنا ہوتا ہے''۔ واقعی انہوں نے سچ کہا تھا۔ جس صبح آپ کا انتقال ہوا اس رات ۱۲ بجے تک وہ طلبہ کو بیٹھ کر پڑھاتے رہے۔ استاد محترم نے اپنے ذاتی اوقات میں علم کی ترسیل زیادہ تر بغیر کسی معاوضے کے تا دمِ آخر جاری

رکھی۔شام کے وقت ان سے استفادہ کرنے والوں کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جن کو آپ نے ''ٹیوشن فیس'' کی ادائیگی سے محروم ہی رکھا۔ ریاضی جیسے مضمون میں یہ ''حسین بدعت'' ان کے ہاں ہی دکھائی دی۔ اس سے ان گنت لوگ اس قابل ہوئے کہ اپنے خاندان کی کفالت کا ذریعہ بنے۔

زبان وادب سے ان کا لگاؤ شوق کی حدوں سے بڑھا ہوا تھا۔ عربی، فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی زبان سے مسلسل دوستی آپ نے آخر تک جاری رکھی۔ آپ کا خیال بلکہ اعتقاد تھا کہ سائنس کے طلبہ کو ذہنی سطح کی بلندی کے ساتھ ساتھ اخلاقی سطح کی برتری کے لیے ادبی تحریروں سے آشنا ہونا چاہیے تاکہ وہ معاشرتی سطح پر تبادلہ خیال کے اہل ہوں سکیں۔ ادب سے وابستگی کا اظہار آپ کے لیکچرز کے علاوہ ذاتی زندگی میں بھی نمایاں تھا۔ اپنی اس صلاحیت کی بنا پر وہ ریاضی جیسے مضمون کو اس انداز میں زندگی سے مربوط کر دیتے تھے کہ گویا وہ خود کوئی شاعر یا ادیب ہوں۔ مطالعہ کا آپ کو بے حد شوق تھا اور رمضان میں یہ شوق اور بھی قابل دید ہوتا۔ خصوصی معمول یہ تھا کہ دن میں قرآن کا وہ حصہ جو قاری صاحب نے نمازِ تراویح میں سنانا ہوتا، تین چار مرتبہ ترجمے کے ساتھ پڑھتے۔ عربی میں کافی دستگاہ کی وجہ سے بآسانی قرآن کا ترجمہ کر لیتے۔ آخر تک آپ کا یہی معمول رہا کہ قرآن کے متن کی لذت سے شادکام ہوتے۔ سالِ وصال ان کا ارادہ خانۂ خدا کی زیارت کا تھا۔ ایسی سعید روح کو اللہ نے حرم کی بجائے اپنے حریم میں بلا لیا۔

ے کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

وفات سے تین دن پہلے بروز جمعہ میں ان سے ملنے گیا تو آپ سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ میں سمجھا کہ کہیں جانے کے لیے تیار ہوئے ہیں۔ کسے خبر تھی کہ یہ ہمیشہ کے جانے کی تیاری ہے۔ پڑوسی ڈاکٹر ارسلان نے سوٹ میں دیکھ کر تعریف کی تو مسکرائے اور کہا کہ میری مثال اس دیے کی ہے جو بجھنے سے پہلے بھڑکتا ہے۔ لہٰذا آج میں بھی بھڑک اٹھا ہوں۔ ان کی وفات کے بعد جو بھی ملا اس نے یہی کہا کہ گویا سب سے زیادہ نقصان اُسی کا ہوا ہے۔ واقعی! فیض صاحب جیسے استاد کا بچھڑ جانا اپنی نوع میں ایک مشترکہ معاشرتی سانحہ ہے۔ بقول پروفیسر حسین احمد ملک

ستم کا آشنا تھا وہ سبھی کے دل دُکھا گیا
شامِ غم تو کاٹ لی، سحر ہوئی چلا گیا!

گورنمنٹ کالج، اصغر مال سے ان کی گہری وابستگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وفاقی حکومت میں آپ کا براہ راست گریڈ ۱۸ میں انتخاب ہوا تو آپ نے ترقی پر اصغر مال کالج، کو ترجیح دی اور گلگت جانے سے انکار کر دیا۔

گورنمنٹ کالج، اصغر مال، راولپنڈی سے ۳۵ برس کی دیرینہ رفاقت کی بنا پر آپ کی خواہش کے مطابق کالج گراؤنڈ میں مولانا نعمت شاہ صاحب نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور غسل کی سعادت میرے حصے میں آئی۔ اس موقع پر پرنسپل گورنمنٹ کالج اصغر مال جناب پروفیسر جاوید اقبال سندھو کی سرپرستی میں پروفیسر اشتیاق قمر، پروفیسر نعیم اختر زیدی اور مشہور سماجی شخصیت جناب دبیر احمد خان نے خصوصی انتظامات کیے۔

وقت بہت مختصر تھا لیکن آپ کے چاہنے والوں کا ایک جم غفیر گراؤنڈ میں موجود تھا۔ اعلیٰ سول وفوجی افسران اصغر مال، کالج کے سابق پرنسپل صاحبان اور

اساتذہ کی ایک کثیر تعداد نے اپنی پُرنم آنکھوں سے آپ کو الوداع کہا۔ آج یہ پھول قبرستان، محلّہ عیدگاہ یعنی اپنے گھر کی پچھلی گلی میں مسجد والے دروازے سے داخل ہو کر پہلے بجلی والے پول کے بائیں جانب ابدی آرام گاہ مہک دے رہا ہے۔ فیض صاحب کی زندگی میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر گھنٹوں گفتگو کی عادت تا حال نہیں بدلی۔ وقت گزرنے کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آپ کے قدموں کی طرف بیٹھ کر دل کی بھڑاس نکالتے وقت الفاظ اور آنسو میرے ہوتے ہیں اور ان کی طرف سے جواباً ابدی سکوت۔

یہ مجھے چین کیوں نہیں پڑتا
ایک ہی شخص تھا جہان میں کیا؟

......☆......☆......☆......☆......

ایک فرد جو خود ملت تھا

میرے نہایت محترم استاد پروفیسر ڈاکٹر قاری نصیر احمد صاحب ۱۲ جنوری ۲۰۰۹ء بروز پیر اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے قاری صاحب کو بہت ہی خوبصورت آواز سے نوازا تھا۔ آپ کی آواز میں بلا کا سوز تھا۔ قاری صاحب نے کئی ممالک کے سفر کیے جن میں خاص طور پر انگلینڈ' آسٹریلیا اور نائیجریا قابل ذکر ہیں۔ ایک دن مجھے اپنے ایک سفر کی روداد سناتے ہوئے فرمانے لگے کہ ایک دفعہ مجھے براستہ سعودی عرب واپس پاکستان آنا تھا۔ جہاز جدہ ائیر پورٹ پر رک گیا۔ چنانچہ اگلی فلائیٹ کے لیے مجھے ائیر پورٹ کے اندر ہی انتظار کرنا تھا۔ دل بے قرار میں درد کی ایک لہر سی اٹھی کہ سرکار کی محبوب سرزمین اور چند میلوں کی یہ دوری۔ کاش کہ بیت اللہ کی زیارت کا کوئی بندوبست ہو جائے۔ یہی خواہش لیے میں ائیر پورٹ کے حکام سے ملا اور درخواست کی کہ میری اگلی فلائیٹ میں ابھی بہت وقت باقی ہے۔ اگر آپ مجھے عمرہ کی اجازت دیں تو میں مقررہ وقت سے پہلے واپس پہنچ جاؤں گا۔ چونکہ میرے پاس سعودیہ کا ویزا نہیں تھا لہٰذا مجھے ائیر پورٹ سے باہر جانے کی اجازت نہ ملی اور متعلقہ آفیسر نے صاف انکار کر دیا۔ اب میری حالت اس ماہی بے آب کی سی تھی جسے موجیں ساحل تک تو لاتی ہیں مگر پھر چھوڑ جاتی ہیں۔ تہجد کی نماز میں رب کریم سے خوب گڑگڑا کر دعائیں کیں کہ سرکار بلاوے کا منتظر ہوں۔

اسی درد و کرب کی حالت میں فجر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ ائیر پورٹ میں ایک طرف نماز کے لیے صفیں بچھی ہوئی تھیں اور ساتھ ہی ایک چھوٹا سا لاؤڈ سپیکر بھی

پڑا ہوا تھا۔ میں اٹھا لاؤڈ سپیکر آن کیا اور فجر کی اذان دینا شروع کر دی۔ اذان ختم ہوئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ائیر پورٹ کے عملے کا میلہ لگا ہوا ہے ائیر پورٹ کے جس آفیسر نے مجھے انکار کیا تھا اب وہی شخص یا شیخ! یا شیخ! کی گردان کے ساتھ میری طرف بھاگتے ہوئے آیا۔ گلے سے لگایا اور امامت کے لیے مجھے آگے کر دیا۔

اس کے بعد قاری صاحب کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے اور پھر پیار بھرے انداز میں یوں گویا ہوئے: رحمت! اس دن جس درد اور سوز کے ساتھ میں نے اذان دی اور پھر نماز میں قرأت کی اس درد کے ساتھ اس جیسی اذان اور قرأت میں زندگی بھر پھر نہ کر سکا اور نہ ہی اس جیسی لذت مجھے پھر کبھی ملی۔ میری تلاوت تھی، میں تھا اور میرے آنسو۔ میرے ساتھ ساتھ ان عربوں کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں۔ نماز کے بعد فارغ ہو کر جب میں انتظار گاہ کی طرف جانے لگا تو وہی آفیسر میرے پیچھے پیچھے معذرت کرتے ہوئے کہنے لگا۔ یا شیخ! آپ نے اپنا یہ تعارف تو کرایا ہی نہیں تھا۔ میں ابھی آپ کے عمرہ کا بندوبست کیے دیتا ہوں۔ یوں پلک جھپکتے میں میرے غنی العالمین رب نے اپنے گھر کی زیارت کے تمام اسباب مہیا کر دیئے۔ یہاں یہ بتا تا چلوں کہ قاری صاحب نے حفظ کرنے کے بعد قرأت سبع کی سب سے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ پھر ریاضی جیسے مضمون میں پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور انگلینڈ سے پوسٹ ڈاکٹریٹ کی۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ مدارسِ دینیہ سے اعلیٰ ڈگری لینے والے اسی نظام کے ہی ہو کر رہ جاتے ہیں اور جسے ہم دنیاوی تعلیم کہتے ہیں اس سے کوسوں دور ہوتے ہیں اور اسی طرح میڈیکل یا انجینئرنگ کے تعلیم یافتہ قرآن و حدیث کی تعلیم کا کوئی شعور نہیں رکھتے۔ لیکن قاری صاحب نے دونوں نظاموں سے کمال کی ڈگریاں کچھ اس انداز سے لیں کہ ایک دنیا ان کی صلاحیتوں کی معترف ہے۔ صدر پاکستان ایوب خان نے آل پاکستان قرأت مقابلے

میں اول پوزیشن لینے پر آپ کو گولڈ میڈل سے نوازا۔ جہاں تک ریاضی کا تعلق ہے قائداعظم یونیورسٹی تو کیا پورے ملک میں اب اس خلا کو پُر ہوتے ہوئے وقت لگے گا۔

قاری صاحب کی اختصاص ریاضی میں نیوٹن کے دوسرے قانونِ حرکت Mechanics میں تھا۔ آپ اکثر کلاس میں ذکر کرتے کہ نیوٹن کے تینوں قوانین بنیادی طور پر مسلمان سائنسدان ابن رشد کے ہیں۔ نیوٹن کا حصہ صرف اتنا ہے کہ اس نے عربی سے انگریزی میں ترجمہ کر دیا ہے۔ پھر بڑے درد کے ساتھ ذکر کرتے کہ انگریز جو فطرتاً چور ہے وہ جہاں بھی گیا اور مسلمانوں پر جہاں اور کئی مظالم ڈھائے وہاں مسلمانوں کی کتابیں یا تو اٹھا کر لے گیا اور اگر کہیں اٹھا نہ سکا تو ان کے کتب خانوں کو دریا برد کر دیا جس کا مسلمان بروقت ادراک نہ کر سکے۔ اقبالؒ نے یقیناً اسی طرف اشارہ کیا ہے:

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

قاری صاحب کو اپنے نام کے ساتھ پروفیسر یا ڈاکٹر لکھنے اور کہلوانے کی بجائے قاری لکھنا زیادہ محبوب تھا۔ انہیں قاری لکھنے اور کہلوانے کی نسبت اتنی پسند تھی کہ دوست احباب تو کیا شاگرد بھی ان کو قاری صاحب کے نام ہی سے پکارتے تھے۔ آپ نماز تراویح میں قرآن سنانے کئی بار آسٹریلیا گئے۔ اب گزشتہ پندرہ سالوں سے قائداعظم یونیورسٹی کی مسجد میں قرآن سنا رہے تھے۔ پروفیسر چوہدری عطاء اللہ نے ان کی وفات کے بعد ایک واقعہ سنایا کہ پنجاب گورنمنٹ میں سروس کے دوران قاری صاحب ریفریشر کورس کے لیے لاہور آئے۔ ان دنوں منصورہ ہسپتال کی دیکھ بھال میرے ذمہ تھی لہٰذا شناسائی کی وجہ سے وہ میرے پاس منصورہ

ہی ٹھہرے۔ مجھے قاری صاحب کچھ پریشان سے دکھائی دیے۔ وجہ پوچھنے پر کہنے لگے کہ صبح بچوں کو قرآن پڑھانا میرا معمول تھا۔ بوجہ مجبوری کورس کے لیے آنا پڑا۔ پریشان اس لیے ہوں کہ کہ یہ کمی کیسے پوری ہوگی اور وقت کیسے کٹے گا۔ میں نے منصورہ کے طلبہ سے ان کا تعارف کرا دیا۔ قاری صاحب نے تجوید پڑھانی شروع کردی۔ تمام طلبہ پہلے ہی دن سے ان کے گرویدہ ہوگئے۔ بس پھر کیا تھا قاری صاحب تھے اوران کے طلبہ اب مغموم چہرہ نفس مطمئنہ کی طرح کھل اٹھا۔

قاری صاحب کی حالات حاضرہ پر بھی کافی گہری نظر تھی۔ قائداعظم یونیورسٹی کی کلاس میں شریر طلبہ کا جب پڑھنے کا پروگرام نہ ہوتا تو ان میں سے کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی طرح یہودیوں یا عیسائیوں کا ذکر چھیڑ دیتا۔ بس پھر کیا ہوتا ایسا لگتا جیسے کسی نے قاری صاحب کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا ہو۔ چونکہ قاری صاحب' صاحبِ نظر بھی تھے لہٰذا وہ ریاضی پڑھانے ہی پر اکتفانہ کرتے بلکہ ساتھ ساتھ بچوں کی تربیت کو بھی اپنے فرائض منصبی کا حصہ سمجھتے تھے۔ جن طلبہ کے پیش نظر اس چھیڑ خانی کا مقصد یہ ہوتا کہ کم پڑھیں گے تو کورس کم ہوگا۔ اب کورس اور سوالوں کا ایک نیا سیلاب امڈ آتا اور طلبہ کے ذہن کی گرہیں کھلتی چلی جاتیں اور یوں وہ جو سرِ بازار قتل کرنے نکلے تھے وہ سر بزم نقد دل ہار بیٹھتے۔

غیروں کے ساتھ ساتھ اپنوں کی ستم شعاری کا بھی بڑے دکھ سے ذکر کرتے۔ خصوصاً آخری ایام میں ''مسدس حالی'' کے یہ اشعار اکثر ان کے وردِ زبان رہتے۔

اے خاصۂ خاصان رُسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

میں اکثر سوچتا ہوں کہ اس کائنات سے بڑی کائنات استاد کا تبحر علمی ہوتا

ہے اگر کوئی صحیح معنوں میں استاد ہو تو وہ صرف پیدا ہوتا ہے کبھی ریٹائر نہیں ہوتا۔ اس کا دیا ہوا علم نافع اور چھوڑی ہوئی باشعور شاگردوں کی جماعت اسے مرنے نہیں دیتی۔ قاری صاحب کے ہاتھوں لگے ہوئے پودے آج ہر طرف مہک رہے ہیں۔ قاری صاحب نے زمیندارہ کالج، گجرات سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ دو سال بعد گورنمنٹ اصغر مال کالج، راولپنڈی آ گئے۔ ۱۹۹۸ء تک یہاں پر ہی تعلیمی خدمات سرانجام دیں۔ چودہ سال گورنمنٹ پنجاب میں سروس کرنے کے بعد آپ قائداعظم یونیورسٹی کے شعبہ ریاضی سے منسلک ہو گئے اور تا دمِ مرگ وہیں تھے۔ قاری صاحب اسلام آباد یونیورسٹی (قائداعظم یونیورسٹی) کی پہلی کلاس کے طالب علم تھے اور محترم پروفیسر فیض صاحب کے کیریئر کی بھی پہلی کلاس کے شاگرد تھے اس لیے وہ میرے استاد ہونے کے ساتھ ساتھ استاد بھائی بھی تھے۔ یہ نسبتیں بھی بڑی عجیب چیز ہوتی ہیں۔ گو کہ یہ جملہ معترضہ ہے لیکن میں اکثر اپنی زندگی میں نسبتوں کو تلاش کرتا اور بڑھاتا رہتا ہوں۔ مثلاً منگل کے دن کی میری زندگی میں ایک خاص نسبت بنتی جا رہی ہے۔

قاری صاحب پیر کو فوت ہوئے منگل کو جنازہ تھا۔ اس سے پہلے میرے استاد فیض صاحب مرحوم اور اس سے بھی پہلے میرے والد مرحوم، منگل کو ہی اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے مولانا صفی مبارک پوری ''الرحیق المختوم'' میں لکھتے ہیں کہ مدنی سرکار ﷺ کی نمازِ جنازہ بھی منگل کو ہوئی۔ یوں ان روحوں کی کئی اور نسبتوں کے ساتھ آپ سے یہ ایک اور نسبت بن گئی۔ مرحوم والد صاحب، فیض صاحب اور قاری صاحب کو غسل و تکفین و تدفین کی سعادت میرے حصے میں آئی۔ دعا کیجئے کہ میری نسبت بھی سرکار مدنی ﷺ اور انہیں غسل و کفن دینے اور قبر میں اتارنے والوں کے ساتھ ہو جائے۔ آمین!

؎ تمہاری یادیں بسی ہیں دل میں
افق کے اس پار جانے والو!

قاری صاحب کی نماز جنازہ میں اصغر مال کالج کے اساتذہ کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ مدارس کے رفقاء' ملک کے نامور سائنسدانوں اور طلبہ کی ایک کثیر تعداد نے بھی شرکت کی۔ جنازہ کی صف کہاں سے شروع ہوتی تھی اور کہاں ختم۔کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔

جب میں لحد میں اتار چکا تو پیچھے سے آواز آئی: ''رحمت! مجھے چہرہ دکھا دیں۔ بڑی دور سے چل کے آیا ہوں''۔ میں نے سر اٹھا کے دیکھا تو محترم استاد پروفیسر حسین احمد ملک صاحب' قاری صاحب سے اپنی نسبت لے کر محبت بھری ملتجی نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نے قاری صاحب کے کفن کے بند کھولے تو ایسے لگ رہا تھا کہ گویا مسکرا رہے ہیں۔ بے اختیار میری زبان سے اقبال کا یہ شعر نکلا۔

؎ نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلبِ اُوست

(ترجمہ) ''میں تجھے مردمومن کی نشانی بتاتا ہوں۔ جب اُسے موت آتی ہے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے''۔

قاری صاحب ایچ الیون کے قبرستان' پلاٹ نمبر ۵' قبر نمبر ۲۲۱ نزد انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی' اسلام آباد آپ کی دعاؤں کے منتظر ہیں۔

؎ جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے ' اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

......☆......☆......☆......☆......

اللہ کی چاہت

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرماتا ہے:

اے میرے بندے! ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے ۔ ہو گا وہی جو میری چاہت ہے۔ اور اگر تو نے سپرد کر دیا اپنے آپ کو اس کے، جو میری چاہت ہے۔ تو میں تجھے وہ بھی دوں گا، جو تیری چاہت ہے۔ اور اگر تو نے مخالفت کی اس کی جو میری چاہت ہے۔ تو میں تھکا دوں گا تجھ کو اس میں، جو تیری چاہت ہے۔ پھر بھی ہو گا، وہی جو میری چاہت ہے۔

اللہ کی چاہت کو پانے کے لیے ضروری ہے کہ اس سے دوستی کی جائے۔
آیئے قرآن سے رجوع کرتے ہیں کہ اللہ کے ہاں دوستی کا معیار کیا ہے؟

''خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (البقرہ:۱۹۰)

'' تو خدا بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (آل عمران:۳۲)

''اور خدا ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (آل عمران:۵۷)

'' اللہ تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔'' (النساء:۳۶)

''اللہ تعالیٰ خائن اور مرتکب جرائم کو دوست نہیں رکھتا۔'' (النساء:۱۰۷)

''اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (المائدہ:۶۴)

''اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (المائدہ:۸۷)

''اور بے جا خرچ نہ کرنا کیوں کہ اللہ تعالیٰ بے جا خرچ
کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (انعام:۱۴۱)

''کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' (الانفال:۵۸)

''اللہ تعالیٰ سرکشوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔'' (النحل:۲۳)

''بے شک اللہ تعالیٰ کسی خیانت کرنے والے اور کفرانِ نعمت کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔'' (الحج:۳۸)

''اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو پسند نہیں۔'' (القصص:۷۶)

اور جسے خدا دوست نہیں رکھتا اس کی مثال اس خشک پتے جیسی ہے جسے زمانے کی ہوائیں جدھر چاہیں اڑاتی پھریں اور سن لیں! ایسے شخص کا اس دنیا میں اور نہ آخرت ہی میں کوئی مددگار ہوگا۔

......☆......☆......☆......☆......

آیاتِ شفاء

قرآنی آیات کا وہ مجموعہ جس کے پڑھنے سے انسان کو نہ صرف اطمینان قلب ملتا ہے بلکہ اس کے دکھوں اور غموں کے مداوے کے ساتھ ساتھ کینسر اور دیگر امراض کا علاج بھی ممکن ہے درج ذیل ہے:

﴿ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ (بنی اسرائیل:۸۲)

''اور ہم تو قرآن میں وہی چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے (سراسر) شفا اور رحمت ہے۔''

﴿ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴾ (الشعراء:۸۰)

''اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہ (یعنی اللہ) مجھے شفاء عنایت فرماتا ہے۔''

﴿ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ﴾ (المومنون:۱۱۸)

''اور (اے رسول ﷺ) آپ کہہ دیں پروردگار تو (میری امت کو) بخش دے اور رحم فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر ہے۔''

﴿ اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَ یَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ ﴾ (النمل:۶۲)

''بھلا وہ کون ہے کہ جو بیقرار کی دعا قبول سنتا ہے اور اس سے مصیبت کو دور کرتا ہے جب بھی وہ اسے پکارے۔''

﴿ وَ اَیُّوۡبَ اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴾ (الانبیاء:۸۳)

''(یاد کرو) جب ایوبؑ نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب! مجھے تکلیف نے چھولیا ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔''

﴿ فَدَعَا رَبَّہٗۤ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ ﴾ (القمر:۱۰)

''انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اے میرے رب) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو میری مدد کر۔''

﴿ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴾ (الانبیاء:۸۷)

''(پروردگار) تیرے سوا کوئی معبود نہیں (ہر عیب سے) پاک و پاکیزہ ہے بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔''

﴿ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَ كَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ (الانبیاء:۸۸)

''ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور انہیں رنج سے نجات دلائی اور ہم تو ایمانداروں کو یوں ہی نجات دیا کرتے ہیں۔''

﴿ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴾ (ھود:۵۷)

''بے شک میرا پروردگار ہر چیز کا نگہبان ہے۔''

﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴾ (آل عمران:۱۷۳)

''خدا ہمارے واسطے کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔''

﴿ وَ تَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ وَ كَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴾ (نساء:)

''خدا پر ہی بھروسہ رکھو اور خدا ہی کارسازی کے لیے کافی ہے۔''

﴿ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ﴾ (زمر:۳۶)

''کیا خدا اپنے بندوں (کی مدد) کے لیے کافی نہیں ہے؟''

﴿ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴾ (الحج:٧٨)

''وہی تمہارا سرپرست ہے تو کیا اچھا سرپرست ہے
اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔''

﴿ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴾ (الانفال:۴۰)

''اللہ اچھا آقا اور اچھا مددگار ہے۔''

﴿ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ﴾ (المومنون:۱۴)

''برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین
پیدا کرنے والا ہے۔''

﴿ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمَ ﴾

''نہ کوئی طاقت نہ قوت (سوائے اللہ کے)''

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ يَا بَدِيْعَ الْعَجَائِبِ بِالْخَيْرِ يَابَدِيْعُ ﴾

''اے اللہ! جس کام کی میں دعا مانگ رہا ہوں بظاہر تو یہ ممکن نظر نہیں آتا
لیکن تو کوئی معجزہ دکھا کر اس کو میرے حق میں بہتر کر دے۔'' (آمین)

......☆......☆......☆......☆......

کِشتِ شب
ڈاکٹر رحمت الٰہی